

ستمبر ۲۰۲۲ء
شمارہ نمبر 8

ماہنامہ

پریت ادب

میگزین



→ PREET ADAB ←

سیدنا علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: حقیقی معنوں میں بخیل وہ شخص ہے، جس کے پاس میرے نام کا تذکرہ ہوا، لیکن اس نے مجھ پر درود نہیں بھیجا۔ (ترمذی)

الصلاة والسلام عليك يا رسول الله وعلى آلك واصحابك يا حبيب الله

ماہ مبارک ربیع الاول اسپیشل



چاروں طرف نور چھایا
آقا ﷺ کا میلاد آیا

ہر مسلمان پہ واجب ہے اقصیٰ کا تحفظ کرنا

سرپرست و بانی عائشہ اخلاق

اداریہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

"ماہ نامہ پریت ادب" کے معزز قارئین!

دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و تندرستی کے ساتھ زندگی کی سبھی خوشیاں نصیب فرمائے! "ماہنامہ پریت ادب" کا آٹھواں شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے جس کی اشاعت آپ کے ساتھ کے بغیر ناممکن تھی۔ آپ کے بھرپور تعاون کی بدولت آج یہ شمارہ شائع ہو کر منظر عام پر آیا ہے۔ "پریت ادب" روز بروز ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے عروج حاصل کر رہا ہے۔ دعا گو ہوں کہ "پریت ادب" آسمان کی بلندیاں چھوئے۔ "پریت ادب" کے لکھاریوں کا شکریہ، جنہوں نے اس عظیم تنظیم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

پیارے قارئین! دین اسلام کی سربلندی اور حفاظت کے لیے ہمیشہ کوشاں رہیں۔ فلسطین کے مسلمانوں پر ظلم کے ٹوٹتے پہاڑوں میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ نجانے کب وہ خوشگوار گھڑی دیکھنا نصیب ہوگی جب فلسطین کے مسلمان پرسکون زندگی کی طرف واپس لوٹیں گے۔ ان پر بڑھتے مظالم اختتام پذیر ہوں گے۔ فلسطین کے مسلمانوں کے لیے خصوصاً دعا کریں۔ اپنی دعاؤں میں باقی سب کو بھی یاد رکھیں۔ مختصر! ہر کسی کے لیے دعا گو رہیں، ہو سکتا ہے کہ کسی کی تقدیر آپ کی دعا کی منتظر ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا محافظ اور نگہبان رہے۔ (آمین)

"پریت ادب" کے معزز لکھاریوں!

آپ کا ساتھ ہمارے لیے قابل فخر ہے۔ لکھنے لکھانے کے اس سفر میں یونہی ہمارا ساتھ دیتے رہیے۔ اللہ سبحان تعالیٰ! آپ کے قلم کو تقویت دے اور کامیابی ہمیشہ آپ کی منتظر رہے۔ آمین یا رب العالمین!

بانی و سرپرست اعلیٰ
عائشہ اخلاق

اپنی تحریر بھیجئے کیلئے اس ای میل پر رابطہ کریں:
preetadab@gmail.com

مدیرہ اعلیٰ: خدیجہ شاہد
مدیرہ: رومیہ نعیم، طیبہ عمر، اقصیٰ باجوہ
کمپوزر: شانزے منصب

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صاحب کلام	صفحہ نمبر
۱	حمد باری تعالیٰ	خدیحہ شاہد	1
۲	نعت رسول مقبول	رومیشہ نعیم	1
۳	تفسیر صراط الجنان		2
۴	رحمتہ اللعالمین	ربیعہ شہباز	3
۵	صبر و شکر	خدیحہ نور	4
۶	احیاء	پریا ایمان	5
۷	ثروت	عمارہ عابد	8
۸	چائے	جویریہ احمد	9
۹	داستانوں کا شہزادہ	طلیبہ عمر	10
۱۰	حقیقت کچھ اور ہے	عائشہ اخلاق	11
۱۱	میں دوست نہیں بناتی	نمرہ آسی	18
۱۲	دکھاوا	کنزہ رفیق	19
۱۳	علی اور احمد کی کہانی	راہین صدیق	19
۱۴	بچوں کی کہانی	اقصی باجوہ	20
۱۵	بارش کی یادیں	کائنات قمر محمد شریف	20
۱۶	موت	شانزے منصب	21
۱۷	بچپن کی یادیں	رابعہ ن	22
۱۸	موتیوں میں لپٹے الفاظ	-----	23
۱۹	تبصرہ ضروری ہے	-----	24

نعت

آپ کے در سے ہی ملی ہیں سب عطائیں
حضور دین روشن کے انبار بھی دکھائیں
آنکھوں پہ پردہ جہل و عصیبت کا آ پڑا ہے
حضور اپنے نور کا سرمہ ذرا لگائیں
آپ کے دیدار کے قابل نہیں ہیں ہم
حضور اپنی دید کے قابل ہمیں بنائیں
دل مائل گناہ ہے رکتا نہیں ہے رو کے
حضور دلِ ناتواں و سرکش پہ بند تو لگائیں
خالی ہے جھولی میری، نہیں پاس کوئی نیکی
حضور نیک و بد کی پہچان ہمیں سیکھائیں
تھکن زدہ وجود ہیں، عمل کی تاب ہے نہیں
حضور آپ ہی ہیں بس، ہمت ہمیں دلائیں
غم الم کے سائے ہم سے آ لپٹے ہیں
حضور اپنی رحمت سے دور کریں بلائیں
دل بھی میرا بیمار ہے اور روح بھی علیل ہے
حضور اپنے ساتھ سے دور کریں وبائیں
میں خاکسار ہوں حضور، نام بھی ہے خاک سا
حضور اپنے قدموں کی خاک ہی بنائیں

رومیشہ نعیم

حمد

قدرت میں پوشیدہ ہیں نشانیاں رب کی
ہر طرف واضح ہو رہی کارگری رب کی
سر بہ سجدہ ہونا احسان ہے مومن پر
عبادت کے لائق ہے صرف ذات رب کی
واحدانیت منسوب ہے خالق کائنات سے
کیونکہ وحدہ لا شریک ہے ذات رب کی
حاصل مرتبہ و مقام ہے اس شخص کو
جو ہر دم کرتا ہے حمد و ثناء رب کی
مغفرت طلب کرتے ہیں رب العالمین سے
رحمن و رحیم ہے صفت ہمارے رب کی

خدیجہ شاہد



تفسیر صراط الجنان

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (1)

ترجمہ کنز الایمان: "سب خوبیاں اللہ کے لیے جو مالک سارے جہان والوں کا۔"

تفسیر صراط الجنان:

{الْحَمْدُ لِلَّهِ: سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔} یعنی ہر طرح کی حمد اور تعریف کا مستحق اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کمال کی تمام صفات کا جامع ہے۔

حمد اور شکر کی تعریف:

حمد کا معنی ہے کسی کی اختیاری خوبیوں کی بنا پر اُس کی تعریف کرنا اور شکر کی تعریف یہ ہے کہ کسی کے احسان کے مقابلے میں زبان، دل یا اعضاء سے اُس کی تعظیم کرنا اور ہم چونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی حمد عام طور پر اُس کے احسانات کے پیش نظر کرتے ہیں اس لئے ہماری یہ حمد "شکر" بھی ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنے کے فضائل:

احادیث میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنے کے بہت فضائل بیان کئے گئے ہیں، ان میں سے 3 فضائل درج ذیل ہیں:

(1)... حضرت انس بن مالک رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، نبی اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ بندے کی اس بات سے خوش ہوتا ہے کہ وہ کچھ کھائے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور کچھ پئے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرے۔" (مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب استحباب حمد اللہ۔۔۔ الخ، ص ۱۴۶۳، الحدیث: ۸۹ (۲۷۳۴))

(2)... حضرت جابر بن عبد اللہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، حضور پر نور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "سب سے افضل ذکر "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" ہے اور سب سے افضل دُعا "الْحَمْدُ لِلَّهِ" ہے۔" (ابن ماجہ، کتاب الادب، باب فضل الحمدین، ۴ / ۲۳۸، الحدیث: ۳۸۰۰)

(3)... حضرت انس بن مالک رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، حضور اقدس صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا "جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر کوئی نعمت نازل فرماتا ہے اور وہ (نعمت ملنے پر) "الْحَمْدُ لِلَّهِ" کہتا ہے تو یہ حمد اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس دی گئی نعمت سے زیادہ افضل ہے۔" (ابن ماجہ، کتاب الادب، باب فضل الحمدین، ۴ / ۲۵۰، الحدیث: ۳۸۰۵)

حمد سے متعلق شرعی حکم:

خطبے میں حمد "واجب"، کھانے کے بعد "مستحب"، چھینک آنے کے بعد "سنت"، حرام کام کے بعد "حرام" اور بعض صورتوں میں "کفر" ہے۔

{لِلَّهِ اللہ کے لئے۔} "اللہ" اس ذاتِ اعلیٰ کا عظمت والا نام ہے جو تمام کمال والی صفتوں کی جامع ہے اور بعض مفسرین نے اس لفظ کے معنی بھی بیان کیے ہیں جیسے اس کا ایک معنی ہے: "عبادت کا مستحق" دوسرا معنی ہے: "وہ ذات جس کی معرفت میں عقلیں حیران ہیں" تیسرا معنی ہے: "وہ ذات جس کی بارگاہ میں سکون حاصل ہوتا ہے" اور چوتھا معنی ہے: "وہ ذات کہ مصیبت کے وقت جس کی پناہ تلاش کی جائے۔" (بیضاوی، الفاتحہ، ۱ / ۳۲)

{رَبِّ الْعَالَمِينَ: جو سارے جہان والوں کا مالک ہے۔} لفظ "رب" کے کئی معنی ہیں: جیسے سید، مالک، معبود، ثابت، مصلح اور بتدریج مرتبہ کمال تک پہنچانے والا۔ اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر موجود چیز کو عالم کہتے ہیں اور اس میں تمام مخلوقات داخل ہیں۔ (صاوی، الفاتحہ، تحت الآیۃ: ۱، ۱۶ / خازن، الفاتحہ، تحت الآیۃ: ۱، ۱ / ملتقطاً)

رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ربیعہ شہباز

اس ذات پر لاکھوں درود و سلام

جس ذات کو رحمت بنا کر بھیجا گیا۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھنے والے

ان کے ساتھ بات کرنے والے

ان سے مصافحہ کرنے والے

ان کی امامت میں نماز ادا کرنے والے

ان سے اپنے تمام مسائل کا حل پوچھنے والے

ان سے گفتگو کرنے والے

تمام اصحاب کو سلام

یقیناً ہمارے نبی کریم کو دیکھنے سے اصحاب کے سینوں سے تنگی کی

کیفیت دور ہوتی تھی

اور اگر خالی دیکھنے سے دلوں کو سکون ملتا تھا

تو صادق اور امین سے بات کرنے اور ان سے سیکھنے میں کتنا اطمینان

حاصل ہو گا

آہ وہ تمام طیبہ کی گلیاں

وہ ہوائیں

وہاں پر برسنے والی بارشیں

وہاں کی ہر چیز پر قسمت رشک کرتی ہے۔

خاتم النبیین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے

وصال تک تمام عرصہ جو اس دنیا میں گزرا اس عرصہ مبارک کو

رحمت بنا دیا گیا

رحمۃ اللعالمین ہمیں عطا کیے گئے

ہمیں ان کا امتی بنا کر خوش قسمتی اور خوش بختی کا شرف ملا۔

ہم یہ تو کہتے ہیں کہ ہمیں ان سے محبت ہے

مگر اس محبت کا ثبوت ہم میں سے کسی کے پاس بھی نہیں ہے

ہم نے ان کی کسی عادت کو بھی نہیں اپنایا

کیا ہم صادق ہیں؟

کیا ہم اللہ کی عطا کردہ تمام امانتوں کے امین ہیں؟

کیا ہم میں رحم دلی پائی جاتی ہے؟

کیا ہم اپنے رہبر اور رہنما کی پیروی کر رہے ہیں؟ یا پھر زبانی کلامی

محببتوں کے دعویدار ہیں؟

☆☆☆

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

مہرِ چرخِ نبوت پہ روشن درود

گلِ باغِ رسالت پہ لاکھوں سلام

شہرِ یارِ ارم تاجِ دارِ حرم

نوبہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام

شبِ اسرا کے دولہا پہ دائم درود

نوشہٴ بزمِ جنت پہ لاکھوں سلام

عرش کی زیب و زینت پہ عرشی درود

افرش کی طیب و نضارت پہ لاکھوں سلام

نورِ عینِ لطافت پہ اَلطف درود

زیب و زینِ نفاقت پہ لاکھوں سلام

سروِ نازِ قِدمِ مغزِ رازِ حکم

یکہ تازِ فضیلت پہ لاکھوں سلام

نقطۂ سِرِّ وحدت پہ یکتا درود

مرکزِ دورِ کثرت پہ لاکھوں سلام

صبر و شکر خدیجہ نور

اپنے رب سے شرمندہ ہو کر معافی مانگی اور بہت سکون سے نیند کی وادیوں میں اتر گئی۔

یہ کہانی آپ کو بتانے کا مقصد کیا ہے؟ کیا آپ لوگ بھی ایسا ہی سمجھتے کہ آپ لوگوں کے پاس کچھ بھی نہیں؟ اپنے اس پاس دیکھئے کہ کیا واقعی آپ لوگوں کے پاس کچھ بھی نہیں ہے شکر ادا کرنے کیلئے؟ ہاں بعض اوقات ہوتی ہیں ایسی چیزیں جو ہمیں چاہئے جو ہمارا دل چاہتا ہمیں ملے لیکن وہ نہیں ملتی تو کیا کرے اس وقت؟ صبر اور شکر ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کریں کیوں کہ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ ہمارے پاس کچھ بھی نہ ہو۔ کچھ چیزیں نہ ملنے پر ہم صبر بھی کر سکتے ہیں اگر وہ نہ ملے۔ مگر شکر ادا کرنے کیلئے بھی ہمارے پاس بہت کچھ ہے۔ جیسے کہ سب سے پہلے ہم اپنے مسلمان ہونے ہر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امت میں سے ہونے کیلئے اللہ کا شکر ادا کریں۔

اس کے بعد ہمارے جسم کے ہر اعضاء کا سہی سلامت ہونے پر اللہ کا شکر ادا کریں۔

اس کے بعد اپنے آس پاس سبھی رشتے دار جو ہمیں بے حد عزیز ہو اور ہم بھی ان کیلئے اتنے ہی عزیز ہو ان کیلئے شکر ادا کریں۔ کھانا کھانے، پانی پینے پر، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کو شکر ادا کرنے والے اور صبر کرنے والے بہت پسند ہیں۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں سورۃ ابراہیم کی آیت نمبر سات میں فرماتے ہیں:

ترجمہ "اور یاد کرو جب تمہارے رب نے سنا دیا کہ اگر احسان مانو گے تو میں تمہیں اور دوں گا اور اگر ناشکری کرو تو میرا عذاب سخت ہے۔"



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ

سورة البقرة 15

"اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد طلب کرو"

بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

یہ گرمیوں کے موسم کے گرم ترین دن تھے۔ جب وہ اسکول کی واپسی پر بس اسٹاپ پہ کھڑے ہو کر انتظار کر رہی تھی۔ ابھی آئے، کھڑے ہوئے پانچ منٹ بھی نہیں ہوئے تھے کہ گرمی کی وجہ سے اس کا برا حال ہو گیا۔ تقریباً دس منٹ بعد بس آئی۔ ہمیشہ سے اس کو ونڈو والی سیٹ پر بیٹھنا اچھا لگتا تھا؛ کیوں کہ دوران سفر وہ راستوں کو دیکھتی تھی۔ آج اتفاقاً اس کو خالی ونڈو والی سیٹ مل گئی۔

بس میں بیٹھ کر اس کو سکون ملا اور کچھ ونڈو کھلی ہونے کی وجہ سے تھوڑی بہت ہوا آرہی تھی جس سے اس کو سکون ملا۔ وہ سارے سفر میں باہر راستوں کو دیکھتی تھی۔ آج بھی ویسے ہی وہ ونڈو سے باہر دیکھ رہی تھی کہ اس کی نظر اس تپتی دھوپ میں ایک معذور شخص پر پڑی جو زمین پر ایسے ہی بیٹھا ہوا تھا۔

یہ دیکھ کر تو اس کا کلیجہ منہ کو آیا کہ یہ انسان اتنی گرمی میں اتنی گرم زمین پر کیسے بیٹھا ہوا ہے؟

اب اس کی اور باہر دیکھنے کی ہمت ختم ہو چکی تھی۔ اس نے ونڈو بند کر کے سیٹ پر سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔

اس معذور آدمی کو ایسے دیکھ کر اس کا دل بھر آیا کہ وہ تو خود اتنے اچھے حالات میں زندگی گزار رہی۔

گھر ہے اس کے پاس، جسم کے سارے اعضاء مکمل ہیں، کسی کی محتاج نہیں، گھر میں ہو تو چھت کے نیچے ہوتی، کم سے کم راستوں پر بیٹھ کر بھیک تو نہیں مانگتی؟

رشتے داروں کی گاڑیاں دیکھ کر ان کے گھروں میں اے سی دیکھ کر ہمیشہ حسرت کرتی کہ کاش ان کو بھی یہ سہولیات میسر ہوں؛ مگر آج جو وہ اس شخص کو دیکھ کر آئی جو اس سے زیادہ بدتر حالات میں تھا تو اپنے سبھی شکوؤں پر ندامت ہوئی۔

گھر پہنچ کر چارپائی پہ بیٹھ کر وہ اس شخص کو سوچنے لگی اور آج پورا دن کھانا کھاتے وقت، پانی پیتے وقت غرض پورا دن جتنا بھی کھایا پیا اوڑھا، یہ سب دیکھ کر اسے صرف وہی ایک معذور شخص کی یاد آتی تھی تو اپنے حالات پر شکر ادا کرتی جاتی تھی۔

رات کو سکون سے بستر پر لیٹ کر اس کی آنکھیں نم تھیں۔ اپنے رب کے سامنے کہ کیسے اس کی نعمتوں کو نہیں سمجھ پائی؟ کیسے ناشکری کرتی رہی اب تک؟

احیاء

پر یا ایمان

سارا کمرہ تاریک تھا سوائے اسٹڈی ٹیبل پر پھیلی دیبھی روشنی کے ہر طرف گہری خاموشیاں تھیں گھڑی رات کا ایک بج رہی تھی اس وقت ہر شے سے لا تعلق رات کے اس پہر کمرے کے روشن کونے میں اسٹڈی ٹیبل کی کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کیے کوئی بیٹھا تھا

منظر دھندلا تھا مگر بالوں کا گول مول بے ترتیب سا جوڑا جس کا سایہ اندھیرے میں دیوار پر پڑ رہا تھا اس سے معلوم ہوتا تھا وہ ایک لڑکی ہے مگر کون؟؟ شاید مایوسی اور ناامیدی کے اندھیروں میں جکڑی ایک ایسی انسان جس کے پاس کھونے کو اب کچھ نہیں تھا

وہ بہت خاموش تھی اس کی پلکیں گیلی تھیں آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے یہ چیخ چیخ کر بتا رہے تھے کہ وہ کئی راتوں سے ٹھیک سے نہیں سوئی بہت دیرانی سی تھی اس کی آنکھوں میں بنجر سی جیسے کوئی خواب ٹوٹ گیا ہونا امید اس کی آنکھوں سے جھلک رہی تھی بہت کمزور لگ رہی تھی شاید وہ زور سے رونا چاہتی تھی بتانا چاہتی تھی کہ تھک چکی ہے لیکن الفاظ بہت خاموش تھے

منظر ذرا واضح ہوا تو آنکھوں میں شناخت ابھری دل کی تھکن لیے تنہا بیٹھی وہ لڑکی کوئی اور نہیں میں خود تھی

جو اپنے سامنے موجود کتابوں کو بہت غور سے دیکھ رہی تھی بہت ساری سوچوں کے ڈروانے ہیولے میرے گرد چھانے لگے تھے وہ ہیولے میرے گرد چکرا رہے تھے پھر یہ ہیولے مجھ سے سوال کرنے لگے

"کہیں یہ عمر بھر کا سفر رائیگاں تو نہیں؟؟"

میں بس خاموشی سے انہیں دیکھ رہی تھی

پھر کسی ہیولے نے سوال کا پتا میری طرف اچھالا..

اللہ سے تعلق؟؟؟

اس سوال کے ساتھ میرے اندر سناٹے اترنے لگے اللہ سے تعلق تو اب بھی ویسا نہیں تھا جیسا ہونا چاہیے تھا کتنا وقت بیت گیا تھا میں آج بھی وہیں کی وہیں تھی دل کو کبھی قربان کرنے کی ہمت ہی نہیں ہوئی نمازیں قضا ہو جانے پر شرمندگی ہی محسوس نہیں ہوتی تھی

مجھے تو ایسا ہونا تھا کہ اللہ کا حکم آیا اور میں نے سر اطاعت خم کیا مگر... ایسا نہیں ہو سکا تھا اپنا آپ ہر معاملے میں مجرم لگتا تھا میں نے کیا پایا؟؟ جب اللہ ہی نہ ملا؟ پھر ملا کیا؟؟ میں سر جھکائے خاموشی سے سوچ رہی تھی

پھر کہیں سے دوسرا پتا اڑتا ہوا آیا

رشتے دوست احباب.... ان سب کے ساتھ تمہارا تعلق؟؟

میں ان سب کے معاملے میں بہت اچھی نہیں تھی بلکہ بالکل اچھی نہیں تھی ان رشتوں کے حقوق بہت زیادہ تھے وہ میں ادا نہیں کر سکتی تھی زندگی بہت مصروف تھی ان سب کے لیے وقت نکالنا بہت مشکل ہو جاتا تھا اور میں تو اب تعلقات بھی محدود رکھتی تھی مجھے ڈر لگتا تھا اگر اللہ نے مجھ سے انکے بارے میں سوال کر لیا تو؟؟ اگر اللہ نے پوچھ لیا میں نے رشتوں کے حقوق کہاں تک ادا کیے؟؟ میں کیا کہو گی؟؟

میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا

تمہارے خواب؟؟ انکا کیا؟؟

ڈروانے ہیولوں کی آوازیں بہت تیز ہونے لگی تھی

میرے خواب.. جن کے لیے میں نے خود گھٹن راستوں کا انتخاب کیا تھا کیا میں ان کے لیے ویسے محنت کر رہی تھی جیسی کرنی چاہیے تھی؟

کیا جاگتی آنکھوں سے دیکھے گئے خواب پورے ہوتے ہیں؟؟

میں نے اپنے سامنے چکراتے ہیولوں سے سوال کیا مگر جواب نداد..

اگر یہ خواب بھی میرے نہ رہے پھر پیچھے کیا رہ جاتا تھا؟؟

میرے پاس تو مزید آپشن بھی نہیں تھے میں کیا کرو گی؟؟

اور تم؟؟ تمہاری سیلف؟؟ اس کے ساتھ کی گئی زیادیاں یاد ہیں کیا؟؟

سوال بہت بے رحم تھے..

اپنی سیلف کے ساتھ جو آج تک میں زیادتیاں کرتی آئی تھی کیا میں

اپنے سامنے قابل معافی تھی؟؟ بار بار میں نے ان راستوں کا انتخاب کیا

جنہوں نے مجھے تکلیف میں ڈالا میں نے ایک ہی بار میں کیوں نا سمجھ لیا

سب کچھ؟؟

میں نے کیوں خود کو پیچھے دھکیل کر دوسرے انسانوں کو اپنی ذات پر

ترجیح دی؟؟ محبت اگر اتنی ہی ضروری تھی تو میں نے خود سے کیوں نہیں

کی؟؟ یہ سب میں نے کیوں اپنی سیلف کے ساتھ ہونے دیا؟؟

کہاں ہیں ان سب کے جوابات؟؟ تم کیوں خاموش ہو؟؟

ڈروانے ہیولے مجھ سے جواب مانگ رہے تھے میں کیا جواب دو انہیں؟؟

کچھ تھا ہی نہیں کہنے کو...

ہر طرف اندھیرہ تھا راستے محدود.. ختم.... مایوسیاں... ڈروانے ہیولے

آنکھیں کھولی تو وہ گیلی تھی اور میں اسٹڈی کی کرسی پر موجود نجانے
وقت کا کتنا سفر طے کر آئی تھی
رات کے اس پہر تنہا بیٹھی اپنی زندگی کا حساب کرتی وہ لڑکی قابل
ترس تھی...

مگر نہیں....

جب میں نے اسٹڈی ٹیبل کی کھڑکی کے پار دیکھا تو آسمان جامنی سا
ہونے لگا تھا ستارے دیکھی مگر مستقل رفتار سے اپنا سفر جاری رکھے
ہوئے تھے اور بل آخر میں انہیں مغرب کے کناروں میں گم ہوتا
دیکھ لیا تھا انہوں نے کٹھن راستوں سے گزر کر منزل پالی تھی
زندگی ابھی باقی تھی یعنی سب ممکن تھا؟؟

میں نے حیران ہو کر خود سے سوال کیا

ہاں سب ممکن تھا یہاں ہر چیز اپنے سفر میں جاری تھی
دور اندر کہیں سے آواز آئی یہ آواز تھی یا احیاء؟؟؟

جیسے کسی نے تاریک ہوتا چراغ تھام لیا ہو اور اس آواز کے ساتھ وہ
ڈراونے ہیولے اپنا وجود کھونے لگے تھے یہاں تک کہ بس اسٹڈی کی
کرسی پر میں تنہا رہ گئی

یہاں ہر ایک کا اپنا سفر تھا اپنی تکلیفیں تھی زندگی پھولوں کی بیج تو
کسی کے لیے نہیں رہی تھی پھر میں کس سوچ کے تحت خود کو مایوس
کرنے لگی تھی؟؟

یہ زندگی تکلیفیں ملنا ہی تھی یہ طے تھا پھر برا کیا ہے؟

زندگی باقی تھی سانسوں کا سفر ابھی باقی تھا سب اچھا نہیں لیکن ٹھیک
کیا جا سکتا تھا نا؟؟

جو باقی تھا اسے تو بچایا جا سکتا تھا نا؟؟

جب رات کا تیسرا پہر ختم ہونے لگا اور میں اسٹڈی سے نماز کے لیے
اٹھی تو میں نے خود کو بہت ہلکا محسوس کیا اب میں خالی اور نا امید
نہیں تھی.. ابھی بہت کچھ باقی تھا جسے مجھے حاصل کرنا تھا بچانا تھا سب
سے پہلے اپنا لنک اللہ سے درست کرنا تھا ہر معاملے میں اللہ پر یقین
کے ساتھ اپنے ہر رشتے ہر خواب کے لیے محنت کرنی تھی اپنی زندگی
بہتر کرنے کے لیے بہت محنت کرنی تھی وہ رب ہے ناں وہ مجھے دے
گا مجھے یقین تھا

ابا میرے پاس نہیں تھے مگر انکی اچھی بیٹی مجھے بننا تھا مجھے خود کو
ایسے ہی رائیگاں نہیں کرنا تھا یہ میری جنگ تھی یہ زندگی کی جنگ
تھی یہ مجھے ہی لڑنی تھی... یہ میرے حصے کی تکلیفیں تھیں جو مجھے ہی
جھیلنی تھی...

خوفناک ہنسی کے ساتھ مجھ سے باتیں کر رہے تھے میں ان سب
کو خاموش کروانا چاہتی تھی مگر یہ خاموش نہیں ہو رہے تھے دل
ڈوبنے لگا تھا میں اب کیا کرو؟؟ کہاں جاؤ؟؟

کیا بس یہی تھی زندگی؟؟

مجھے ایک زندگی ملی اور میں نے اسے بھی رائیگاں کر دیا؟؟

میں کیا کرونگی اب... زندگی دن مہینے اور سالوں میں گزرتی جا
رہی تھی

"میں نے تو خود کو یونہی ضائع کر دیا یار"

تلخ مسکراہٹ کے ساتھ ایک بار پھر سر کرسی کی پشت سے ٹکا
دیا..

میں شہر کی رنگینیوں سے دور، بناوٹی لوگوں کی دنیا سے پرے،
کسی ویرانے میں کھڑے گھر کے باغیچے میں کسی اداس درخت کی
چھاؤں میں بیٹھ کر چائے کی پُکسیاں لیتے ہوئے کتاب پڑھنا چاہتی
ہوں، کیا میں زندگی سے کچھ بہت زیادہ طلب کر رہی ہوں؟

دور اندر پھر سے کوئی خواہش ابھرنے لگی تھی

جو آج تک زندگی نے دیا اس کا کتنا حق ادا کیا تم نے؟؟؟

ڈراونے ہیولے تلخی سے ہنسے...

میں نے تڑپ کے سر اٹھایا..

میری زندگی تو بہت سادہ اور آسان تھی پھر اب یہ کیا ہو گیا تھا؟؟؟

ایک آنسو ٹوٹ کر بالوں میں جذب ہو گیا

کاش کے زندگی اس چھوٹے سے آگن میں ابا کے سائے تلے

ہمیشہ مسکراتی رہتی..

"ابا.... وہ دن آسان تھے جب زندگی ابا کے گرد کسی پر اونے

کی طرح چکرایا کرتی تھی جب ایک چھوٹی سی بچی ابا کی انگلی

پکڑے بازار جایا کرتی تھی

پھر ایک دن سفید یونیفارم والی لڑکی گھر بھاگتی ہوئی آئی بہت سی
آوازیں اسے اپنے پیچھے سنائی دے رہی تھی کسی نے روکنا چاہا کسی
نے تسلی دینا چاہی کوئی افسوس کر رہا تھا لیکن وہ بس بھاگتی جا رہی
تھی اور پھر.... اپنے سامنے لیٹے اس ساکت و جامد وجود کو دیکھ کر
وہ زمین پر بیٹھی چلی گئی

ابا.... ابا میرے ابا نہیں رہے

میں نے خود کو چیختے سنا تھا...

اور بس اس دن ابا کے ساتھ ہی میرے اندر بھی بہت کچھ مر گیا
تھا...

”ظلم کرنے والے رویا نہیں کرتے ہیں؟“ اس کے پاس آئی نمرت نے طنزیہ انداز میں کہا۔ عشرت نے دوپٹے سے آنسوؤں کو صاف کیا اور مسکراتے ہوئے نمرت کو دیکھا۔ جو کبھی کبھی یوں تلخ رویہ اپنا لیا کرتی تھی مگر وہ دل کی بری نہیں تھی۔

”یہ تو تشکر کے آنسو ہیں جو قرآن کھولتے ہی خود بخود آنکھوں سے رواں ہو جاتے ہیں۔“



پھر نماز کے بعد چائے بناتے ہوئے وہ رات والا بوجھل پن کہیں نہیں تھا

اب رات والی وہ تنہا اور اداس سی لڑکی اپنی آنکھوں میں امیدوں کے دیے لیے مسکرا رہی تھی کیونکہ اب اس کے پاس ”احیاء“ تھی یعنی نئی زندگی... اب اس زندگی میں مزید کتنی مشکلات آئی تھی اور کتنی کامیابیاں ملنی تھی یہ میں نہیں جانتی تھی مگر اتنا معلوم تھا

کھونے کو کچھ نہیں تھا مگر پانے کو بہت کچھ تھا“

ثروت

عمارہ عابد

عشرت نے قرآن کو سفید رنگ کے ریشمی غلاف میں لپیٹا اور باہر کھڑی کانشیل کو تھما دیا۔ وہاں موجود تمام خواتین میں صرف عشرت نے ہی آج تک مصحف کی رسی کو مضبوطی سے تھام رکھا تھا ورنہ باقی سب تو مایوس ہو کر کلام الہی سے منہ موڑ چکی تھیں اور اسی وجہ سے اسے صبح اور شام قرآن پاک کی تلاوت کرنے کا موقع دیا جاتا تھا۔

”تم اب بھی رب سے امید لگائے ہوئے ہو؟ ہوش میں آ جاؤ اب کچھ نہیں ہونے والا ہے اور آج کی رات ہی تمہیں پھانسی دی جائے گی۔“ نمرت اس کو بازو سے جھنجھوڑتے ہوئے رو رہی تھی مگر عشرت ابھی بھی مسکرا رہی تھی۔

عشرت پر اپنے ہی شوہر کو قتل کرنے کا الزام اس کے سسرال والوں نے لگایا تھا اور اسی وجہ سے اسے سزا دی گئی۔ وہ بے قصور تھی لیکن پیسے کی طاقت پر تمام ثبوت اس کے خلاف ثابت کر دیئے گئے اور وہ بے گناہ ہو کر بھی سزا کی مستحق ٹھہری جبکہ اس کا دیور جو اپنے بڑے (سوتیلے) بھائی کا قاتل تھا۔ عیاشی سے زندگی کے مزے لوٹ رہا تھا اور اپنی ماں سمیت بیوی، بچوں کو لے کر باہر چلا گیا۔ عشرت کو پھانسی کی سزا ملی تھی لیکن وہ پھانسی کے روز بے ہوش ہو گئی اور بعد میں معلوم ہوا کہ وہ ماں بننے والی ہے۔ اسی وجہ سے اس کی پھانسی روک دی گئی مگر وہ بچہ بھی مردہ پیدا ہوا اور دوبارہ فیصلے کے مطابق آج رات اسے پھانسی دی جانی تھی۔

”میں اپنے رب کی رحمت سے کبھی نا امید نہیں ہوئی اور یہ سب

افتق پر روئی کے گالوں جیسے تیرتے بادل آپس میں گھلنے لگے تھے اور جس کی وجہ سے جس میں شدید اضافہ ہو چکا تھا۔ بعض و اوقات میگھا کے برسنے سے قبل فضا میں گھٹن طاری رہتی ہے اور اس سہ پہر نے بھی بالکل ایسی ہی شدت اختیار کی ہوئی تھی۔ جہاں ہر طرف انسان اپنی زیت گزرنے کے لیے ڈھیروں خوشیاں تلاش رہے تھے۔ ایسے میں لاہور کی جیل میں آئے ہوئے قیدی شام کے اوقات میں ایک جگہ چہل قدمی کرنے کے لیے اکٹھے ہوئے تھے مگر قید تو ہمیشہ قید ہوتی ہے پھر چاہے وہ سلاخوں میں ہوں یا کسی راج محل میں ہو۔ سب کے چہروں پر ایک گہری مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی لیکن اس کے پیچھے چھپے ہوئے دکھ کو سمجھنے کے لیے دل کا ہونا بہت ضروری ہے اور آج کے انسانوں کے پاس دل سے زیادہ دماغ موجود ہے جس کے بل بوتے پر اکثر غلط فیصلے کیے جاتے ہیں۔

اس جیل میں بھی بہت سی خواتین ایسی موجود تھیں جو کسی دوسرے کے جرم کا بوجھ کندھے پر اٹھائے ہوئے تھیں یا پھر کچھ حالات کی ماری ظلم کر کے آئی تھیں۔ بحر حال سب کے پاس کوئی نہ کوئی کہانی تو ضرور موجود تھی۔ بی بلاک کی سلاخوں کے پیچھے بیٹھی ہوئی عشرت خان مصحف کھولے تلاوت میں مشغول تھی اور آنکھوں سے بن موسم کے برسات تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

میری آزمائش کا حصہ ہے۔ اسی لیے واویلا کرنے کی بجائے میں نے اپنی آخرت پر ساری توجہ مرکوز کر دی۔ ”وہ پانی کا گلاس پاس ہی پڑے منکے سے بھر لائی اور نمرت کو پلایا۔

”ہماری آزمائش ہی کیوں کی گئی ہے؟“ نمرت روہانسی انداز میں بولی۔ عشرت کی طرح وہ بھی بے قصور تھی لیکن اپنی ہی چھوٹی بہن کے قتل کا الزام اس پر ثابت ہوا تھا اور اسی وجہ سے وہ عمر قید کی سزا کاٹ رہی تھی۔

پہلے پہل تو وہ کسی سے بات نہیں کرتی تھی پھر دھیرے دھیرے عشرت کے برتاؤ نے اسے اپنی طرف مائل کر لیا اور آج عشرت کی پھانسی اسے بے چین کر رہی تھی۔

”اللہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ بندوں کی ہی آزمائش کرتا ہے۔ تم جانتی ہو ایک وقت تھا جب میں قرآن کو کلام الہی سمجھ کر صرف پڑھا کرتی تھی لیکن یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ بات کیسے کرتا ہے؟ اس کی آیات تسلی کیسے دیتی ہیں؟ کچھ بھی نہیں جانتی تھی صرف

روزانہ کا معمول تھا کہ پڑھنا ہے تو پڑھنا ہے۔ وقت سب سیکھا دیتا ہے اور جب وقت بدلا تو میں نے مصحف کو اپنا دوست پایا۔ جب بھی روتے ہوئے اس کو کھولا تو اس میں مجھے وہ آیات ملیں جس سے میرے غم ہلکے ہونے لگے پھر قرآن صرف پڑھا نہیں

گیا بلکہ اسے محبت سے دیکھا بھی گیا۔ اب زندگی کا یہ معمول ہو گیا ہے کہ جب بھی دل پریشان ہوتا ہے تو فوراً اسے کھول کر بیٹھ جاتی ہوں کیونکہ میں جانتی ہوں کہ اب اللہ مجھے میرے سوال کا جواب ضرور دے گا۔ تھوڑی ہی دیر بعد مجھے محسوس

ہونے لگتا ہے کہ اللہ نے مجھ پر اپنی رحمت کی چادر اوڑھ دی اور تب میرا خوف ایک دم ہی زائل ہو جاتا ہے۔ اس لیے قرآن سے دوستی کرو اور اس کے ہر پیغام کو سمجھو یہ دلوں کا سکون ہے اور قدم بقدم ہماری راہنمائی کرتا ہے۔“ عشرت جاتے ہوئے بھی

اسے رب کی رحمت کا احساس دل رہی تھی اور وہ بے آواز آنسو بہا رہی تھی۔

پچھلے تین سال سے تو اس نے مصحف کو کبھی مڑ کر دیکھا بھی نہیں تھا اور آج وہ ندامت کے آنسو بہا رہی تھی۔

”یہ زندگی آزمائش بنی ہے لیکن وہ ہمیشہ کی رہنے والی زندگی ہمیں ضرور بہترین انعام کے طور پر ملے گی۔“ نمرت اس کے گلے لگ کر روتے ہوئے بولی۔ عشرت نے اس کے گرد اپنا گھیرا تنگ کرتے ہوئے مضبوط رہنے کی تسلی دی۔ باہر کھڑی کانشیل

کی آنکھوں میں بھی نمی صاف جھلک رہی تھی۔ نجانے کتنے ہی برس سے وہ ایسے مجرموں کو دیکھتی ہوئی آئی تھی اور اب تو ان کے غم بھی محسوس کرنے لگی تھی۔

”مجھ سے وعدہ کرو آج کے بعد رب کی رحمت سے مایوس نہیں ہوگی اور ہر روز مصحف کی تلاوت کیا کرو گی۔“ عشرت نے اسے خود سے الگ کرتے ہوئے وعدہ کرنے کا کہا۔ تو اس نے مضبوطی سے اس کے نرم و ملائم ہاتھ کو تھاما۔

رات کی تاریکی اپنے پر پھیلا چکی تھی مگر گھٹن ابھی بھی فضا میں چھائی ہوئی تھی۔ مقررہ وقت کے مطابق عشرت کو پھانسی کے گھاٹ چڑھایا گیا اور نمرت ایک طرف کھڑی اس منظر کو آنکھوں کے دریچے میں قید کر رہی تھی البتہ عشرت کے چہرے پر ابھی بھی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

عشرت کے جانے کے بعد نمرت اب رب سے امید لگائے ہوئے تھی اور ہر روز مصحف کی تلاوت کے ساتھ ساتھ عشرت کی مغفرت کی دعائیں کرتی تھی۔

”زیست کے ہر لمحے کو نعمت سمجھ کر گزارنے کی کوشش کریں اور دنیا سے زیادہ آخرت کو سنوارنے کی ہر ممکن جدوجہد کرتے رہنا چاہیے۔“



چائے

جویریہ احمد

ایک کپ چائے، اگر مل جائے

خزاں، بہار میں

سرد موسم کی رتوں میں

زرد موسم میں

ہواؤں کے دوش پہ

ایک کپ چائے، اگر مل جائے

اندھیری شب میں، بارش کی بوندوں کی

کھڑکی پر دستک سے پہلے،

کہیں تنہا بیٹھے ہوئے!

راستوں پر نگر نگر بھٹکتے ہوئے

ایک کپ چائے، اگر مل جائے

تو لا جواب ہو جائے

منزلیں آسان ہو جائے۔

داستانوں کا شہزادہ

طیبہ عمر

شہزادہ پھر ہم مل کر اپنی سلطنت بنائیں گے، وہ بادشاہ اور میں ملکہ

"

اور یہ کہتے ہوئے بچپن سے اب تک سنی اماں کی ساری کہانیوں کے رنگ اس کی آنکھوں میں اتر آتے، اور وہ نئی سی نئی کہانیاں بنتی نہر کنارے اترتے چاند کو دیکھتی رہتی

"دکان گروی رکھوانی پڑے گی، جہیز کی لسٹ میں موجود باقی چیزیں تو بچت کی ہوئی رقم سے آجائیں گی، باقی کا خرچہ پلاٹ بیچ کر ہو جائے گا لیکن گاڑی کے لئے دکان اور گھر دونوں گروی رکھوانے ہی پڑیں گے" آج وہ یونہی کالج سے جلدی آگئی جب ابا اور بھائی کی آوازیں اس کے کانوں میں ٹکرائیں، یہ کس کے جہیز کی بات ہو رہی تھی؟ اس کی شادی تو شہزادے سے ہونی ہے نا، اور بھلا شہزادوں کو کیا ضرورت جہیز کی؟

"لڑکیوں کی شادیوں کے لئے تو یہ سب کرنا ہی پڑتا ہے، آج کے دور میں خالی لڑکی کوئی نہیں بیاتا، شہزادے بس کہانیوں میں ہوتے ہیں بیٹی، حقیقی دنیا میں تو بس سوداگر ملتے ہیں"

تو کیا اس کا شہزادہ کبھی نہیں آئے گا؟ اور جو آیا ہے وہ تو سوداگر ہے، جس ساتھ نام نہاد خوشیاں پانے کے لئے اس کے چھوٹے سے محل کا سودا ہو گا...

"ابا اس رشتے سے انکار کر دیں، مجھے لگتا تھا شہزادی سے ملکہ بننے کے لئے بادشاہ ضروری ہے، لیکن میں غلط تھی، مجھے اپنی سلطنت خود بنانی ہوگی، اس کے بعد جو مخلص ہو گا میں اسی کا ہاتھ تھاموں گی، پھر چاہے وہ ایک عام شخص ہو... میں آگے پڑھوں گی، اپنے بل بوتے پر کھڑے ہونا سیکھوں گی، اور پھر آپ مجھے اسے سونپنے کا جسے بس میرا ساتھ چاہیے ہو، ناکہ میرے ساتھ ملنے والی دنیاوی چیزیں"

"

سب نے کہا کہ سوچ لے، لیکن فیصلہ لیا جا چکا تھا، نہر میں اترے چاند کو تکتی اس کی آنکھوں میں اب بھی خواب تھے، مگر اس بار خوابوں کی نوعیت مختلف تھی، اب وہاں کسی شہزادے کا انتظار نہیں تھا، بلکہ شہزادی سے ملکہ بننے کا عزم تھا۔



نہر کے کنارے گھر، کتنا اتر کر بتاتی تھی وہ سب کو کہ اس کا گھر نہر کے کنارے ہے، جب ساون اپنے جوہن پر ہوتا تو وہ چھت پر جا کر نہر کے کنارے بارش کا لطف اٹھاتے پرندوں کو دیکھا کرتی - چاندنی رات کا شفاف سا چاند جب اپنی ساری چاندی نہر میں انڈیل دیتا تو وہ گھنٹوں مبہوت ہو کر اس سفید قلعی ہوئی چاندی کے پانی کو ٹکا کرتی، اس کا گھر تو اس کی جنت تھا... ٹھنڈا، پرسکون اور ہر ابھرا اس جنت میں اس کی پیاری سی اماں، لاڈ اٹھانے والے ابا اور اس محبت نچھاور کرتے بڑے بھائی جان بھی شامل تھے - ابا کی کپڑے کی دکان سے اچھا گزر بسر ہو جاتا، لیکن اس کے لئے تو وہ اس چھوٹے سے محل کی اکلوتی شہزادی تھی، جس کے لئے بھائی جان ہر ماہ اپنے جیب خرچ کے پیسے بچا کر رنگ اور کتابیں لاتے، جس کے ابا اپنی دکان کا سب سے خوبصورت جوڑا اس کے لئے مخصوص کر لیتے اور جس کی اماں اس کے سارے پسندیدہ کھانے بنا دیتی تھی -

وقت یونہی گزرتا گیا، نہر کنارے بستی اس کی چھوٹی سی جنت بھی ویسی ہی رہی، بھائی جان کی نوکری شروع ہوئی تو خوشیاں اور دوبالا ہو گئیں -

پھر ایک دن کچھ لوگ آئے، اماں نے بتایا کہ اب وہ شہزادی سے ملکہ بنے گی - یہ سن کر وہ بہت خوش ہوئی، اس دن نہر کنارے بڑے سارے پرندوں کی کچے چاولوں کے ساتھ دعوت کی گئی، کیونکہ شہزادی ملکہ بننے والی تھی نا

کالج میں اس کی ساری سہیلیاں اس سے پوچھتیں کہ بتاؤ پھر کیسا ہے تمہارا شہزادہ، اور وہ اتراتی ہوئی کہتی،

"بادشاہ ہے وہ، رحم دل بادشاہ، جس کی سلطنت میں سب خوش رہتے ہیں، جس کا دل سونے جیسا ہے اور جس کے الفاظ شہد سے بھی زیادہ شیریں"

اور اس کی باتیں سن کر سب سہیلیاں ہنس دیتیں، "لو بھلا! یہ الف لیلوی شہزادہ حقیقی زندگی میں کہاں سے آگیا" "آگیا نا دیکھ لو! اپنی شہزادی کے لئے آگیا، میں نہر والوں کی شہزادی ہوں نا اور وہ... ہو گا وہ بھی کسی پیاری سی مخلوق کا رحم دل

حقیقت کچھ اور ہے عائشہ اخلاق

جہان آتا ہے کیوں ان ناولوں کو سر پر سوار کرتی ہو اٹھو جلدی کرو
کھانا پکا لو "

وہ واپس سے کپڑے بالٹی میں سے نکالنے لگیں،

"آپ کو تو ابا ملے تھے اماں "

مریم کچھ کہتیں اس سے پہلے وہ اٹھی اور ڈوپٹہ کمر پر کس کر جھاڑو پکڑ
کہ صحن میں لگانے لگی،

"اماں کل سے پھر جاب ڈھونڈنے جاؤں گی آپ فکر مت کریں "

"اسکی ضرورت نہیں میں کھیتوں میں کام کر رہی ہوں بہت ہے تم

واپس سے پڑھائی شروع کرو اپنی "

"اماں مجھ سے نہیں پڑھا جاتا ہے میں آپکا ہاتھ بٹانا چاہتی ہوں "

"حیا تم پاگل ہو بالکل "

وہ جانتی تھیں اسکو پڑھنے کا کتنا شوق ہے ناولز پڑھ پڑھ کر اسکے دل

میں کتنے ہی خواب پر لگائے اڑ رہے ہیں مگر وہ خاندان کی خاطر ہر

خواب کتر کتر کر پھینک رہی ہے،

"جی نہیں میں آپ کی سب سے سمجھدار بیٹی ہوں پاگل بیٹیاں آنے

والی ہیں اس لئے جائیں یہ چھوڑیں اور سالن چڑھا دیں آپ، میں آکر

روٹیاں بنا لوں گی "

وہ پل بھر کو سیدھی ہو کر بولی اور جملہ مکمل کرنے کے بعد پھر سے

جھک کر جھاڑو لگانے لگی،

"اچھا جلدی سے کر کے آجاؤ اندر میں انتظار کر رہی ہوں "

"جی اماں "

وہ اسے باہر چھوڑ کر اندر کی جانب چل دیں۔

وہ اسلام آباد میں پہاڑیوں پر بنے چھوٹے سے مکان میں رہتے تھے

حیا، سمن، ایمن اور مریم، چھوٹی سی فیملی تھی انکی مگر ہر آنکھ میں دکھ

بڑا تھا اور خوابوں کا بوجھ جن کو اٹھائے وہ ایک دوپے کے لئے جیتے

تھے۔

سمن فرسٹ ایئر کی طالبہ تھی اور ایمن صرف پانچویں کلاس میں پڑھتی

تھی حیا گریجویٹیشن کر چکی تھی اور ایک سکول چھوڑ دینے کے بعد وہ

نئے سکول میں جاب میں کی تلاش میں تھی مریم کی تعلیم اتنی نا تھی

کہ وہ جاب کرتیں اس لئے وہ کھیتی باڑی کر کے تھوڑا بہت گھر چلاتی

تھیں، ایمن گورنمنٹ سکول میں جاتی تھی اور سمن بھی اسی سکول

میں میٹرک کی طالبہ تھی، حیا کا خواب تھا اپنے ٹوٹے خوابوں پر بہنوں

کی اعلیٰ تعلیم کا تاج سجانے کا اس لئے روز گھر سے نکل جاتی تھی جاب

کی تلاش میں، آج اتوار تھا دونوں ماں بیٹی پانچ مرلے کے گھر کی

میں ہوں حیا میرے گھر میں میری اماں اور میری دو چھوٹی بہنیں

رہتی ہیں ایک گڑیا جسکا نام سمن ہے مجھ سے چھوٹی

"مگر وہ اینابیلہ والی گڑیا ہے "

وہ بتانے والی کو بتا کر قہقہہ لگا کہ ہنسی

"مٹی جسکا نام ایمن جو سب سے چھوٹی ہے "

"میری جان کا ٹکڑا "

مٹی کا ذکر کرتے ہی اسکی آنکھوں میں بے پناہ محبت در آئی،

"میرے بابا ایمن کے پیدا ہونے کے چار ماہ بعد چل بے "

آنکھوں میں بے پناہ تکلیف در آئی،

"میرے ددھیال اور ننھیال دونوں نے ابا کے گزر جانے کے بعد

اپنا منہ پھیر لیا اور تمہیں پتا ہے۔۔۔"

"حیا بیٹا "

وہ منڈیر پر بیٹھی چڑیا سے نجانے اپنے خاندان والوں کی اگلی پچھلی

کس کس کی باتیں کرتی مگر مریم کی آواز پر وہ منہ بنا کر مڑی،

"کیا ہے اماں؟ چڑیا کو اڑا دیا "

"ارے میں نے کب اڑایا تم جو اپنے خاندان کی رام کہانیاں سنانے

لگی تھی نا اسکو یقین کرو اسکی شکل دیکھ کر ترس آگیا تھا مجھے "

وہ اپنی بیٹی کی عادت سے خوب واقف تھیں اس لئے انہوں نے اسکو

چڑایا،

"اماں آپ بھی نا "

اس نے منہ بنایا،

"لڑکی تم نے اب تک کپڑے سوکھنے کے لئے نہیں ڈالے جانتی ہو

نا ابھی وہ دونوں ٹیوشن سے آجانے کے بعد بھوک بھوک چلائیں گی

جلدی ہاتھ چلاؤ "

وہ بالٹی میں سے کپڑے نکال کر تاروں پر ڈالنے لگیں،

"اماں رات ناول میں سالار اور امامہ کی شادی ہو گئی "

بولتے ہوئے اس کی آنکھوں میں نمی سی در آئی،

ماں کے کپڑے تار پر پھیلاتے ہاتھ رک گئے،

"تمہیں کتنی دفع بتاؤں حیا حقیقت کچھ اور ہے یہ عشقیہ کہانیوں سے

دور پرے ہم جیسوں کی زندگی میں نا کوئی سالار آتا ہے نا ہی کوئی

صاف صفائی کرنے میں مصروف تھیں۔

جس کے داخلی دروازے تک آنے کے لئے پتھروں کے چھوٹے سے راستے کی چڑھائی چڑھ کر آنا پڑتا تھا، پھر آتا تھا اس چھوٹے سے گھر کا لکڑی کا دروازہ اس سے پار چھوٹی مگر ایک دنیا آباد تھی چار لوگوں کی،

دروازے کے آگے صحن تھا، صحن کی چار دیواری پر بیلین چڑھی ہوئی تھی اور فرش پر چاروں اطراف میں گملے پڑے تھے، صحن سے آگے ایک برآمدہ تھا جہاں ایک سائیڈ پر سیدھے ہاتھ جھولا لگا تھا جس پر بیٹھ کر وہ اکثر ناولز پڑھتی تھی۔

برآمدے میں ایک سائیڈ پر ایک ٹیبل پڑا تھا جسکو گھر والے ڈانگ ٹیبل بنا کر استعمال کرتے تھے، ارد گرد چار کرسیاں پڑی تھیں پلاسٹک کی جو کہ ایمن کی فرمائش پر خریدی گئی تھیں اسے فرش پر بیٹھ کر کھانا نہیں پسند تھا اس لئے اسکو ڈانگ ٹیبل پر ہی بیٹھ کر کھانا تھا، مریم نے اسکی ضد پر حیا کے ساتھ جا کر چار کرسیاں خریدیں اور اپنے جیمز کے ٹیبل کے گرد سجا دیں اس طرح اس گھر میں ڈانگ ٹیبل کا رواج شروع ہوا۔

حیا بہت حساس تھی ہلکی براؤن آنکھیں، کمر تک آتے بال سادہ سی شلوار قمیض ہر وقت زیب تن کئے رکھتی تھی، فیشن کے نام پر اس کے پاس بس یہی تھا مگر وہ جانتی تھی کہ لڑکیوں کا حسن میک اپ برینڈڈ کپڑوں یا جوتوں میں نہیں ہوتا حسن تو تربیت میں ہوتا ہے، لہجہ سلیقہ میں ہی جچتا ہے لڑکیوں پر، ناک میں کوکا پینے لمبی تیکھی ناک بھرے بھرے ہونٹ وہ بہت حسین نہیں تھی کہ دیکھنے والا اسکو دیکھ کر پاگل ہو جائے مگر وہ ایسی شخصیت رکھتی تھی کہ کوئی اس سے دو منٹ بات کرے تو پہروں باتیں کرنا چاہے، پرندوں سے باتیں کرنے والی، اسکے دوست نہیں تھے، اسکی ماں بہنیں اور چرند پرند ہی اسکے دوست تھے منڈیر پر نئی آجانے والی چڑیا کوٹے کو وہ اپنے بارے میں بہت دلچسپی سے بتاتی تھی تاکہ اوپر آسمانوں میں جا کہ اللہ تعالیٰ سے اسکے بابا کو اسکا پیغام دینے کو کہہ دیں، ایسا وہ بچپن سے کرتی تھی یہ بات اسکو اسکے بابا نے ہی سکھائی تھی جب اسکی دادی کا انتقال ہوا تو انہوں نے منڈیر پر بیٹھی چڑیا سے روتی ہوئی حیا کو بات کرنے کا کہا کہ

"اس کو پیغام دے دو یہ اللہ میاں تک پہنچا دے گی حیا" سچی بابا اور پھر اللہ تعالیٰ دادی کو بتا دیں گے کہ میں ان کو یاد کرتی ہوں؟"

ہاں بتا دیں گے "

پانچ سال کی روتی حیا کے چھوٹے ہاتھوں نے اپنے آنسو پونچھ ڈالے اور لبوں پر مسکان در آئی۔

وہ جانتی تھی کہ اللہ تو شہ رگ سے زیادہ قریب ہے وہ بنا کہے سنتا ہے مگر اسکو چرند پرند کو ڈاکیا بنانا اچھا لگتا تھا اکثر ناول میں ہیرو مر جانے پر وہ انہیں پرندوں کے ساتھ باتیں کرتی رو دیتی تھی۔

حیا کی اپنی ماں اور بہنوں میں جان تھی۔ باپ کے گزر جانے کے بعد اس نے اپنی بہنوں کا باپ بھائی بننے میں کوئی کسر نا چھوڑی،

ناولوں کی دیوانی تھی اس لیے بھی اسے ناول پڑھنا پسند تھا کیونکہ ناولوں کے کردار وہ زندگی جی رہے تھے جو وہ جینا چاہتی تھی مگر حقیقی زندگی ناولوں کی زندگی سے دور پرے ہے یہ بات اسکو تکلیف دیتی تھی اکثر

حقیقت کچھ اور ہوتی ہے

کوئی اپنا، اپنا نہیں ہوتا

ہر سنا سچا نہیں ہوتا

میں نے دیکھا ہے

ہر وعدہ پکا نہیں ہوتا

یوں تو کہتے ہیں کہنے والے

ساتھ ہیں ہم

مگر ہر کوئی اتنا بچہ نہیں ہوتا

بنا غرض بنا عرض کرے کرم

ایسا کوئی اس جہاں میں

اپنا ہمد نہیں ہوتا

ملنسار تو بہت ہیں کہنے کو

مگر کوئی محب دل کی بات

سمجھ لے ایسا کوئی

سمجھدار آشنا نہیں ہوتا

حقیقت کچھ اور ہے

بس کہنے والے کہتے ہیں

ہم تکلیف سمجھتے ہیں

بھلا ظالم کہاں

مظلوم کی تڑپ سے سمجھتے ہیں

ہم روتے ہیں

شام سویرے

دھوپ اندھیرے

کہ حقیقت کچھ اور ہوتی ہے

کوئی اپنا اپنا نہیں ہوتا

کوئی سنا سچا نہیں ہوتا

حقیقی دنیا اور ہوتی ہے

پھر افسانوں میں کیوں

ہر کوئی اتنا کھینچے ہے ہمیں

جب ایسا کوئی خواب سچا نہیں ہوتا

کیوں کہتے ہیں ہیرو بن بیٹھا ہے ہیروئن کا

جب حقیقت میں ایسا کوئی کردار نہیں ہوتا

حقیقت کچھ اور ہوتی ہے

کوئی اپنا اپنا نہیں ہوتا

ہر خواب سچا نہیں ہوتا

--

گڑیا اور منی اس کے گرد حلقہ بنائے بیٹھی اپنے سکول کی کہانیاں
سنانے میں مگن تھیں وہ انکے پاس بیٹھی اخبار میں سے نوکریوں کے
اشتہارات کے گرد سرخ رنگ کی قلم سے دائرے بنا رہی تھی، اسکی
جوڑے میں سے نکلتی لٹ اسکی گال کو بوسے دے رہی تھی وہ ساتھ
ساتھ گڑیا اور منی کی بات پر ہنسنے لگی تھی۔

"آپی" منی نے اسکو مسلسل اخبار پر نظر جمائے دیکھا تو غصے سے
چلائی،

"کیا ہوا لڑکی کان کیوں پھاڑ رہی ہو میرا؟" اس نے آنکھیں میچ کر
کان میں انگلی گھسا کر گھما ڈالی،

"آپ ان کاموں میں لگی ہیں میرا بول بول کر حلق خشک ہو گیا سنا
بھی ہے آپ نے کیا کہا میں نے؟"

"ہاں سنا ہے حرف با حرف"

"تو بتائیں کیا کہہ رہی تھی منی بچو؟" گڑیا نے بھی اس میں حصہ

ڈالا

"منی نے کہا کہ وہ عینک کی سعدیہ توڑ آئی اور اسکی ٹیچر کی میتھ نے
شباباش کو منی دی" اس نے گڑیا کی ناک دبا کر بات بتا ڈالی،

جسکو سن کر منی کے گال لال، گڑیا کے ہنسی کے فوارے چھوٹ
گئے،

"آپی" منی نے حیا کو آنکھیں دکھائیں،

ارے ارے "گڑیا ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئی

"بس کرو لڑکیو بہن کو تنگ نہیں کرو۔۔"

ہر طرف اندھیرا چھانے لگا تھا پرندے اپنے گھونسلوں میں جا چھپے
تھے سورج بھی اپنی ڈیوٹی نبھا کر سو چکا تھا، چاند اپنی آب و تاب
سے آسمان میں جگمگانے لگا تھا، وہ اکیلی سڑک کنارے کاندھوں پر
بیگ لٹکائے اکیڈمی سے واپس آرہی تھی، پاس کرائے کے پیسے نہیں
تھے اس لئے وہ اکیڈمی سے پیدل آرہی تھی، آنسو موتیوں کی مانند
اسکی آنکھوں سے نکلتے اسکے حجاب کو بھگو رہے تھے، اس نے آسمان
کو دیکھا اور ایک لمبی سانس لی جو اس بات کی گواہی تھی کہ وہ اب
اس دنیا کے انسانوں سے تھک چکی ہے جو لفظ خونہ رشتوں میں چھپے
اجنبیوں سے بدتر ہیں چچا تایا خالہ ماموں سب ہونے کے باوجود وہ

جوان جہان لڑکی اس وقت سڑکوں پر اکیلے چل رہی تھی کیونکہ اسکے
خاندان کے مردوں میں غیرت تو تھی مگر صرف اپنی بیٹیوں کے
لئے، اسکے چاچا کو اپنے مرحوم بھائی کی جوان بیٹیوں کی پرواہ نہ تھی،
مگر وہ کہتے ہیں نا جنکا کوئی نہیں ہوتا اسکا اللہ ہوتا اور اس کو کبھی

اس ویرانے میں بھی کسی مرد کی کمی محسوس نہ ہوئی تھی کیونکہ اسکے
باپ کے جانے کے بعد حالات نے اسکو اتنا مضبوط کر دیا تھا کہ وہ
اس مضبوطی سے اپنی جانب اٹھتا ہر ہاتھ توڑ کر رکھ سکتی تھی، مگر وہ
کہتے ہیں نا انہوں کا بھرم، وہ ٹوٹ جانے پر اسکے دل میں ایک کسک
سی اٹھی تھی جو شاید کبھی نا جا پائے۔

جن بچوں کے باپ چلے جائیں نا وہ اپنے تایا چچا میں اپنے باپ کو
تلاشتے ہیں مگر جب انکو وہاں سے باپ کا پیار اور جھلک نا ملے تو وہ
اندر سے ایسا ٹوٹتے ہیں کہ انکے دل کے وہ ٹکڑے کبھی کوئی جوڑ
نہیں سکتا، مگر ہاں وہ ساتھ ہی اتنے مضبوط ہو جاتے ہیں کہ انکو
کبھی کوئی توڑ نہیں سکتا وہ دنیا فتح کر سکتے ہیں۔

وہ بھی مضبوط ہو گئی تھی کسی مرد کی طرح ماں کے کاندھے سے
کاندھا ملا کر گھر کو سہارا دیئے کھڑا کئے ہوئے تھی، وہ جانتی تھی وہ
تھکی تو گھر کی بوسیدہ اینٹیں گر جائیں گی اس لئے وہ تھکن سے چور
بدن کے ساتھ بھی خود کو چلائے ہوئے تھی۔

اتوار کا دن ہونے کے باعث آج سبھی گھر تھے، اور حیا کی بڑی بہن
بھی آئی ہوئی تھی جو کچھ پریشان لگ رہی تھی مگر ماں کے گھر پہلے
ہی ڈھیروں پریشانیوں کے باعث سبھی دکھ درد چھپائے وہ چہرے پر
ہنسی سجائے ہوئے تھی۔

حیا، ایمن، منی، اور مایا سبھی مریم کے پاس بیٹھے باتوں میں مشغول

تھیں کہ اچانک سے مایا نے مریم کو آنکھوں سے اشارہ کیا جس پر مریم نے منی اور ایمن کو اندر جانے کا کہا وہ دونوں اندر چلے گئیں اور حیا جسکو پہلے ہی شک تھا کہ آج اس سے کسی رشتے کی لازمی بات ہوگی اسکو یقین ہو گیا اور وہ پہلے ہی بول پڑی۔

"اماں میں شادی نہیں کرنا چاہتی"

"حیا میری سن تو لو" مریم نے حیا کی جلد بازی پر اسکو گھورا،
"تمہارے چچا سرمد کے لئے تمہارا رشتہ مانگ رہے ہیں اور جمشید کے لئے ایمن کا"

اپنے رشتے تک بات تو وہ تحمل سے سنتی رہی مگر ایمن کا نام جمشید کے لئے سن کر اس نے ماں کو حیرت سے دیکھا۔

"وہی چچا اماں جسکو پرواہ نہیں ہوتی تھی انکی جوان بھتیجی شام ڈھلے سڑکوں پر اکیلے نڈھال قدموں سے چل کر گھر آتی تھی؟ وہی چچا نا اماں جنہوں نے ابا کے جانے بعد ہمیں بھی مردہ سمجھ کر کسی کھاتے میں نے نہیں رکھا؟ جنہوں نے عید پر کبھی ہمارے سر پر پیار سے ہاتھ نہیں رکھا اور جب میں کمانے لگی آپ کھیتوں سے گھر چلانے لگیں تو انکو ہم یاد آگئے وہ تب کہاں تھے اماں جب منی بیمار تھی جب آپ بیمار تھیں جب ہم بھوکے سوتے تھے جب ہم عید کے دن دروازے پر ٹنگی باندھے بیٹھے رہتے تھے کہ باپ نا سہی باپ کا بھائی آئے گا جو سر پر ایک پیار بھرا ہاتھ رکھے گا"

"وہ تب کہاں تھے اماں جب دنیا کے درندوں سے ہم اکیلے لڑنا سیکھ رہے تھے؟ وہ تب کہاں تھے اماں جب سردیوں کے راتوں میں آپ میں اور مایا سرد پانی میں کام کرتے تھے تب وہ سب کہاں تھے؟"

بولتے بولتے کب اسکے گال بھیگنے لگے اسکو پتہ ہی نا چلا اس نے بے دردی سے اپنی گالوں پر آئے آنسوؤں کو پونچھ ڈالا۔

"اور ہاں اماں جمشید وہ سن نہیں سکتا آپ جانتی ہیں نا؟ اور ہماری ایمن آپ نے سوچا بھی کیسے؟"

"اور کیسے سوچ لیا اماں آپ نے جس لڑکے کو ابا کے بعد آپ نے ماں بن کر پالا وہ ہمارے پاس رہا ہمارا بھائی بن کر آپکا بیٹا بن کر اور آپکی ایک ڈانٹ پر وہ ہمیں چھوڑ کر واپس چچا لوگوں کے پاس چل دیا میں اس انسان سے شادی کروں گی؟"

وہ بول ہی رہی تھی کہ مایا نے اسکی بات کاٹی

"حیا میں نہیں چاہتی تم اس گھر میں آؤ"

مایا کی آنکھوں میں بے بسی، دکھ، تکلیف، کیا نا تھا وہاں، مگر مرنی

کیا نا کرتی سر پر باپ نہیں گھر میں تین بن بیابہی بہنیں کھیتوں میں کام کر کر کے کمزور ہوئی ماں وہ کیسے لڑ جھگڑ کر بیٹھ جائے اور کیسے اپنے سسرال والوں کو کہے کہ اسکا ناجائز فائدہ نا اٹھایا جائے، اسکی بہنیں اور وہ گڑیا نہیں ہیں۔

شادی جسے کر کہ جہاں گھر بستے ہیں وہاں ہی کچھ گھر ٹوٹتے بھی ہیں اور جب بات بن باپ کی بیٹی پر آئے تو وہ ان دونوں صورتوں کے بیچ سولی پر لٹکی رہتی ہے، مایا بھی تو لٹکی ہی ہوئی تھی گھر بچانے اور بسانے کے بیچ،

"اماں آپ انکو کہہ دیں کہ سرمد کا رشتہ ایمن سے کرنا چاہیں تو کر دیں حیا اس شادی کے لئے تیار نہیں اور جمشید سے ہر گز ہماری ایمن کی شادی نہیں ہوگی اور ہاں اماں انکو کہہ دینا لڑکیوں کا باپ بھلے مر گیا ہے مگر ماں اور بہن زندہ ہیں"

وہ یہ کہتی وہاں سے اٹھنے لگی کہ اماں کے لفظوں نے پیچھے سے اسکو روک لیا۔

"تو تمہیں بیانے کوئی فوجی آئے گا یا تمہارے ناولز کا ہیرو حیا؟"
"مجھے بیانے کوئی نہیں آئے گا اماں کیوں کہ میں بیابہی جا چکی ہوں اس گھر کی ذمہ داریوں کے ساتھ، اور ناولز کے ہیرو، یہ حقیقت نہیں ہوتی اماں یہ بس وہ دنیا ہے جسکو ہم جیسی لڑکیاں حاصل نہیں کر سکتیں، مگر ہاں پڑھ کر محسوس کر سکتی ہیں مگر جانتی ہیں اماں سمجھدار لڑکیاں بس اس دنیا میں جا کر واپس آ جاتی ہیں، وہاں مسلسل رہنے کے خواب نہیں سجاتیں آپ بے فکر رہیں آپ کی حیا خواب نہیں دیکھتی اپنے لئے تو بالکل نہیں"

اسکے جانے کے بعد مایا نے ماں کو دیکھا جس پر انہوں نے اسکے سر پر ہاتھ پھیر کر اسکو تسلی دی۔

اگلے دن حیا کے کہنے کے مطابق چچا تک بات پہنچا دی گئی جس پر سب بہت آگ بگولہ ہوئے اور منہ بھر بھر کر حیا کو باتیں سنانے لگے۔

"مریم تجھے کہا تھا نا پڑھا اس کو، دیکھ لیا تو نے پڑھانے کا نتیجہ ہمیں سکھاتی ہے یہ اب"

چچی نے مریم کو پھر سے حیا کے پڑھانے پر کوسا جس کو مریم نے ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیا کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ یہ سب کہنے کے عادی ہیں وہ انکو خوشیاں نہیں دے سکتے دینے والی ذات اوپر بیٹھی ہے۔

چچا چچی نے ایمن کا رشتہ بھی رکھنے سے انکار کر دیا

انہوں نے اس کو انا کا مسئلہ بنا لیا اور نا جانے کیوں مایا اور مریم کے چہرے اس انکار کو سن کر بے حد اطمینان میں تھے، مریم سمجھ چکی تھیں انکی حیا نے کیوں اپنی جگہ ایمن کا نام لیا اور دل ہی دل میں انہوں نے حیا کو ڈھیروں دعائیں دے ڈالیں۔

وہ سٹاف روم میں بیٹھی تھی کہ سر جمشید اندر داخل ہوئے اس نے ایک نظر اندر آنے والے کو دیکھا اور واپس نظریں جھکا کر اپنے کاموں میں لگ گئی،

"مس حیا مجھے آپ سے کچھ کہنا تھا" جمشید صوفے پر بیٹھتا ہوا بولا جس کو حیا نے سرسری سا دیکھا اور کہا،

"کیسے میں سن رہی ہوں" اتنا رکھ رکھاؤ سالجہ وہ اپنے لہجے سے ہی دوسروں کو ان کی حدود بتا دینے کی عادی تھی،

"میں اپنے گھر والوں کو آپ کے گھر بھیجنا چاہتا ہوں"

وہ اس کا جواب جانتا تھا مگر وہ آخری بار ایک کوشش کرنا چاہتا تھا تاکہ اسے اس بات کی پشیمانی نا ہو کہ اس نے ہمت ہار دی، حیا کا لہجہ اس کا رہن سہن محبت کا پتہ نہیں مگر وہ ایسی لڑکی تھی جس کو وہ اپنی شریک حیات بنانا چاہتا تھا تاکہ اس کا گھر جنت بن سکے، اس نے حیا میں وہ دیکھا جو شاید کوئی عام آنکھ نہیں دیکھ پاتی،

"کس لئے؟" وہ جانتی تھی وہ کس لئے اس کے گھر آنا چاہتا ہے مگر ہر بار کی طرح اس بار بھی اس نے انجان بننے کو ہی فوقیت دی، "میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں" ہر بار کی طرح وہ کس لئے کے جواب میں چپ نہیں رہا تھا وہ اس بار کہہ دینا چاہتا تھا اور اس نے کہہ دیا،

"مگر میں شادی نہیں کر سکتی میں آپ کے جذبات کی قدر کرتی ہوں اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتی" وہ یہ کہہ کر وہاں سے اٹھ کر چل دی۔

"آگئی تم کب سے انتظار کر رہی ہوں تمہارا" حیا دروازے سے اندر داخل ہوئی تو مریم جو اس کے انتظار میں نظریں جمائے بیٹھی تھیں جھٹ سے بولی۔

"کیا ہوا؟ خیر ہے؟" وہ سیدھا ماں کے پاس آئی،

"تم کب تک ایسا کرو گی؟"

"کیسا ماں؟"

"تم نے اپنے لئے آئے رشتے کو ایمن کے لئے کیوں کہہ دیا؟" "کیونکہ امی میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی اور ایمن کی شادی کی عمر ہو رہی ہے آپ اچھا سا رشتہ دیکھ کر اسکی شادی کر دیجئے"

تم جانتی ہو ہماری برادری میں بیس سال کی عمر میں لڑکیاں اپنے گھر بار کی ہو جاتی ہیں حیا اور تم اس سال پورے چھبیس کی ہو جاؤ گی "ہاں اماں میں جانتی ہوں مگر برادری والوں نے یہ نہیں بتایا آپ کو کہ جن کا باپ مر جائے اور ان کا کوئی بھائی نا ہو تو وہ اپنا کھانا پینا اور ضروریات زندگی کو کہاں سے پورا کریں؟ سر کیسے ڈھکیں؟ عزتیں کیسے بچائیں؟ اور سب سے بڑھ کر اس دنیا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کیسے جیئیں؟ امی میں ابھی ----"

"حیا اپنی فلسفیانہ باتیں مجھے مت سناؤ میں گھر بار دیکھ لوں گی تم فکر نا کرو، پانچ سال ہو گئے تمہیں حیا ایمن کالج پاس کر چکی ہے اتنے سال تم نے پال لیا بہت ہے، منی اب بڑی ہو چکی ہے کتنا پالو گی ہمیں بس کرو حیا اب مت گنہگار کرو"

انہوں نے اسکی بات کاٹی،

"اماں مریض بن رہی ہیں آپ، آپ کو دیکھ کر میرا دل کڑھتا ہے جب رات کو سردیوں کی پرواہ کئے بغیر آپ کھیتوں میں پانی لگانے جاتی ہیں، تب کہاں جاتی ہے اماں یہ برادری، جب آپ کی جوان جہان بیٹیاں اور آپ رات کو کھیتوں میں کام کرتی ہیں تب کہاں ہوتی ہیں ان کی باتیں؟"

"حیا تم ---"

"ماں بس! مجھے اس بارے میں بات نہیں کرنی، آپ ایمن کی شادی کی تیاری کریں اور ہاں سکول چھوڑ دیا ہے کالج ٹرانسفر ہو گیا ہے میرا، تنخواہ بھی بڑھ جائے گی اب اور سہولتیں بھی ہوں گی بہت سی، آپ جلدی سے کھانا نکالیں اور کہاں ہیں یہ منی اور گڑیا؟"

"اندر ہیں جاؤ میں لاتی ہوں کھانا"

"سلیمان آپ اتنی جلدی مجھے اور میری بیٹیوں کو چھوڑ کر چلے گئے، آپ نے سوچا بھی نہیں اس زمانے میں کیسے رہیں گے ہم، حیا بضد ہے کہ اسے شادی نہیں کرنی اپنی بہنوں کو پال پوس کر کچھ بنانا چاہتی ہے وہ اور آپ کے بھائی بہنیں یہ برادری مجھے روز باتیں سناتے ہیں، مجھے سمجھ نہیں آتا میں کہاں جاؤں، آپ جانتے ہیں نا بن شوہر چادر سر کی چادر نہیں رہتی کب نوج لی جائے یہی ڈر کھائے جاتا ہے اس چادر کو بڑی مشکلوں سے بچانا پڑتا ہے، میں تھک گئی ہوں مگر آپ کی بیٹی نہیں تھکتی ہے وہ سب کو سنبھالنے کے چکر میں خود بہت پیچھے رہ گئی ہے"

"اماں ----" وہ ناجانے اور کیا کچھ کہہ کر خود کو مزید پریشان کرتیں کہ حیا نے ان کو آواز دے کر خیالاتی دنیا سے نکال باہر کیا

اور خود آج بھی وہ ویسی ہی حیا تھی بدلے تھے تو صرف اسکی عمر کے ہند سے ۔

"زندگی ڈھلتے ڈھلتے چالیس سال ہو گئے، منی گڑیا سب اپنے گھر کی ہو گئیں، دونوں بچوں والی ہو گئیں اور تم اب بھی ان صفحات میں سر دیئے بیٹھی ہو میں مر گئی کل کو تو کیا کرے گی حیا، بس کر جا میری بچی تو نے کہا سب کی شادی کر کے شادی کرے گی میں نے مان لیا اب تو سب کی شادی ہو گئی اب تو شادی کر لے " وہ اسکے پاس بیٹھتے ہوئے بولیں،

"ماں جو سر رکھا تھا پیا آپ نے؟" اس نے نظریں اپنے کام پر ہی رکھیں اور مریم کے جواب کو سرے سے نظر انداز کرتے ہوئے اپنا سوال ان کے آگے رکھ دیا،

"پی لیا ہے جو اب تم نے میری بات نامانی تو میں ناراض ہو جاؤں گی تم سے بتا رہی ہوں "

"اچھا اماں کرتے ہیں کچھ ابھی مجھے پیپر زری چیک کرنے ہیں بہت کام ہے " اس نے بغیر سر اٹھائے ماں کو ٹال دیا ۔

آج سکول میں زلٹ ڈے تھا، سکول کی وائس پر نپل ہونے کے ناطے سبھی کے والدین اس سے ملنے آرہے تھے ۔

وہ اپنے آفس میں ڈھیلا ڈھالا کرتا پہنے سر پر حجاب سجائے بیٹھی تھی کہ اچانک آفس کے دروازے پر دستک ہوئی،

"اندر آجائیں " وہ کہہ کر فائلز سمیٹنے لگی ۔

"السلام و علیکم "

"وعلیکم السلام " اس نے نظریں اٹھائیں تو نظریں جھکانا بھول گئی، اس کے سامنے اس کا ماضی کھڑا تھا جس سے اس کو محبت نا تھی مگر اس شخص کو حیا سے محبت رہ چکی تھی، جہاں حیا حیراں تھی وہاں سامنے کھڑا جشید بھی حیراں تھا ۔

حیا نے خود کو سنبھالا ۔

"بیٹھیے " اس نے کرسیوں کی طرف اشارہ کیا،

وہ چپ چاپ کرسی پر بیٹھ گیا،

"میں پریشے اور سبحان ---"

"اوہ تو پریشے اور سبحان آپ کے بچے ہیں ماشاء اللہ بہت ہونہار طالب علم ہیں دونوں "

اس نے اس کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے بچوں کی تعریف کی،

"جی بچے بھی آپ کی بہت تعریف کرتے ہیں میں نہیں جانتا تھا کہ

آپ ہیں ورنہ میں بہت پہلے آجاتا ویسے آپ کے کتنے بچے ہیں ؟"

وہ گھر اب شور قلقاریوں سے نہیں گونجتا تھا، منی گڑیا دونوں اپنے گھر کی ہو چکی تھیں، مایا بہت کم آتی تھی، مگر اب تو اسکا بیٹا بھی جوان ہو چکا تھا، اور اب اسکے سسرال میں اسکے قدم مضبوط ہو چکے تھے، اسکی ساس فوت ہو گئی تو اب اُس گھر کی بڑی بہو ہونے کے ناطے گھر کا نظام اس کے ہاتھ میں تھا دیر سے ہی سہی مگر ایک دن سورج ہماری مرضی کا بھی نکل آتا ہے، جس میں ہماری آنکھیں چندھیاتی نہیں بلکہ روشن ہو جاتی ہیں، مایا کی آنکھیں بھی اب روشن رہنے لگی تھیں ۔

ویرانی تھی تو صرف ان آنکھوں میں جو آنکھوں پر بڑا سا چشمہ چڑھائے اپنے سکول کے کچھ کاغذات دیکھ رہی تھی، سبھی کا بوجھ اٹھاتے اٹھاتے اسکے کاندھے کب اتنے کمزور ہو گئے اسے پتا ہی نہیں چلا، دوسروں کو خوشیاں دیتے دیتے کب اس کی زندگی اتنی سادہ ہو گئی کہ اسے کسی خوشی کی خواہش ہی نا رہی اسے اس بات کا علم ہی نا ہوا ۔

لوگوں کے لئے ایک آزاد عورت تھی وہ کیونکہ اس نے باپ بھائی کی جگہ لے کر اپنے گھر کو وہاں پہنچایا تھا جہاں اس کا باپ ہوتا تو پہنچاتا ۔

اس نے بیٹی ہو کر بھی اس گھر کی بیٹیوں کے لئے باپ کا ہر فرض نبھایا تھا، مگر اس فرض نے کب اسکے دل سے اپنے سبھی فرائض مٹا دیئے اسے پتہ ہی نا چلا ۔

مریم اب کافی ضعیف ہو چکی تھیں، مگر حیا نے ماں کو لاڈوں سے رکھا تھا اس لئے وہ اس عمر میں بھی بالکل تندرست نظر آتی تھیں، مگر وہ تھی جسکے بالوں میں کہیں کہیں چاندی اتر آئی تھی مگر وہ چاندی کسی میڈل کی مانند اسکے بالوں میں چمکتی تھی ۔

کسی کے لیے وہ ہیرو تھی تو کسی کے لئے ایک بد تمیز منہ پھٹ لڑکی کسی کے لیے بہت باحیا تو کسی کے لیے بے حیا ۔

اسکا جرم صرف اتنا تھا کہ اس نے اپنا سوچے سمجھے بغیر دوسروں کو اپنے جوتے تپتی دھوپ اور ٹھنھرتی سردی میں گھسٹتے ہوئے پالا تھا، معاشرے کی پرواہ کئے بغیر وہ ایک ڈھال بنے، ہتھیار بنے، اپنی بہنوں کو اس زندگی کے گھٹن دنوں سے نکال لائی تھی جہاں وہ باپ کے جانے کے بعد جا گھسے تھے ۔

کہتے ہیں وقت گزر ہی جاتا ہے اس کا وقت بھی گزر گیا تھا، آج وہ چالیس سال کی عورت تھی مگر اس نے اپنے ماتھے پر سہاگن کا ٹیکا سجانے کے بجائے عزت سے اپنی بہنوں کے ماتھے چاند تاروں سے

میں نے فلحال شادی نہیں کی" اس نے سر نیچے کرتے جواب دیا
"پرفیکٹ" جمشید کی آنکھوں میں روشنی در آئی
"کیا مطلب؟" وہ بچے ہونے کے باوجود اس کے اس لفظ پر تھوڑا
سا غصہ ہوئی

"مطلب یہ کہ پریشہ اور سبحان میرے بڑے بھائی کے بچے ہیں اور
میں فلحال شادی جیسی عظیم چیز سے محروم ہوں مگر اب نہیں رہوں
گا"

"میں سمجھی نہیں" اس کی باتیں سن کر وہ حیران و پریشان تھی
"آپ کو سمجھنے کی ضرورت نہیں اور اس بار میں آپ کو سمجھانے
کے ارادے میں بھی نہیں پہلے ہی بہت دیر ہو چکی ہے"
"چلیں میں چلتا ہوں بہت سے کام کرنے ہیں جلدی ملتے ہیں" وہ
جس طرح آیا تھا ویسے چلے گیا جبکہ حیا حیراں و پریشاں سی وہاں
بیٹھی رہ گئی۔

زندگی جیسی بھی ہو اس کی ایک خاصیت ہے کہ وہ گزر ہی جاتی ہے
جلد یا بدیر یہ ہمیں ہماری منزلوں تک لے ہی جاتی ہے جو رب نے
قائم کی ہوں۔

کبھی دیر سویر ہو بھی جائے تو صبر کا دامن پکڑے رہنے والوں کو
ان کے صبر کا پھل مل ہی جاتا ہے۔

کچھ لوگ اپنے صبر کے پھل کو بھی دوسروں کی ٹوکریوں میں ڈال
دینے کے عادی ہوتے ہیں مگر وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ جو رب
کائنات ہے وہ کسی کے ساتھ زیادتی نہیں ہونے دیتا۔

وہ گھر آئی اماں کچھ لوگوں کے ساتھ باتوں میں مشغول تھیں اس کو
آتا دیکھ کر خوشی سے کھڑی ہوئیں اور اس کو کسی خاتون کے پاس
بیٹھنے کا کہا، جو کافی عمر رسیدہ تھیں، وہ ہچکچاتے ہوئے سلام کرتی ان
کے پاس بیٹھ گئی۔

"تو آپ ہیں حیا بہت انتظار کروایا آپ نے"

"میں نے؟" اس نے اپنے سینے کی طرف شہادت کی انگلی کر کے
حیرانی سے کہا

"جی آپ نے" اس بار دوسری خاتون نے جواب دیا

"ہمارا بھائی شاید آپ کی قسمت میں ہی تھا جو آج تک اس کا کہیں
رشتہ نا ہو پایا، اور کچھ اس کی نیت نا ہوتی تھی شادی کی، ہمیں اتنا
تو معلوم تھا کہ وہ کسی کو پسند کرتا ہے مگر وہ آپ ہوں گی اور اتنا
پاس ہوں گی یہ معلوم نہیں تھا" حیا ان کی باتیں بہت حیرانگی سے
سن رہی تھی

آپ؟... "اس نے سوالیہ نظروں سے پوچھا
"ہم جمشید کی فیملی ہیں"

جمشید کا نام سننا تھا کہ حیا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، اس
کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی جلدی گھر کا پتہ کروا کر یہاں تک پہنچ
جائے گا

"آپ لوگوں کی اجازت ہو تو میں کچھ کہوں؟" حیا نے خود کو
سنجھاتے ہوئے لب کھولے

"جی جی بیٹا کہیے" جمشید کی والدہ نے اثبات میں سر ہلایا
"میں شادی اس وقت بھی کر سکتی تھی جب میری عمر تھی شادی کی
مگر اس وقت کاندھے پر دو بہنوں کو بیاہنے کا بوجھ تھا، اماں کی ذمہ
داری تھی اس لئے چہرے پر دلہن کا روپ لینے کے بجائے میں نے
کاندھوں پر گھر کی ذمہ داریاں لینا مناسب سمجھا، اول تو میں شادی
نہیں کرنا چاہتی کیونکہ ایک تو میری عمر نہیں رہی دوسرا میں اماں کو
اکیلا نہیں چھوڑوں گی، اب اس عمر میں، دوم اگر میری شادی ہو
بھی جاتی ہے تو یا تو لڑکے کو یہاں رہنا پڑے گا یا پھر اماں ہمارے
ساتھ رہیں گی کیونکہ۔۔۔۔۔" حیا ہوش میں تو ہو "اس کا جملہ کاٹ
کر مریم نے حیا کو غصے سے پکارا

"بچی ٹھیک کہہ رہی ہے بہن، تو بس آپ فیصلہ کریں جمشید کو آپ
رکھیں گی یا آپ ہمارے گھر چلیں گی" جمشید کی والدہ نے حیا کے
سر پر ہاتھ پھیرا تو اس کی آنکھیں بھر آئیں اور مریم کی بھی
حیا ان کی بات سن کر حیراں ہوئی اور مریم بھی کیونکہ آج تک کسی
نے ایسا نہیں سوچا تھا، اس معاشرے میں کم از کم انہوں نے تو نہیں
دیکھا تھا

"میں کیسے رہ سکتی ہوں بیٹی کے سسرال میں آپ خود دیکھیں اور
کیسے کسی کا بیٹا لے آؤں یہاں، یہ تو پاگل ہے آپ اس کی باتوں پر
دھیان مت دیں"

"نہیں یہ بالکل درست کہہ رہی ہے، اس نے اپنی عمر لگا دی یہ گھر
بنانے میں، آپ کو سنبھالنے میں، اور اب ایک دم سے آپ کو کیسے
چھوڑ جائے وہ؟ نہیں یا تو آپ چلیں گی یا جمشید یہاں آئے گا"

"اماں ہمارے ساتھ جائیں گی جیسے میں اپنی ماں کو نہیں چھوڑ سکتی
میں جانتی ہوں جمشید بھی آپ کو نہیں چھوڑ سکتا اور آپ کے لئے
بھی یہ بہت مشکل کام ہوگا میرے لئے خوشی کی بات ہے کہ آپ
نے ایسا سوچا شاید یہ میرے صبر کا پھل ہے جو میرے رب نے دیا"

"بس تو طے پایا ہم آپ دونوں کو جمعے کو آکر لے جائیں گے"
 "جمعے کو اتنی جلدی؟"

"ارے حیا بھابھی اتنی جلدی کہاں بائیس سال گزر گئے"
 وہ سکینہ جو کہ جمشید کی چھوٹی بہن تھی اس کی بات پر مسکرا دی،
 "ٹھیک ہے جیسے آپ کی اور اماں لوگوں کی مرضی"

.....

مجھے آج جمشید کی زندگی میں بیس سال ہو گئے میری اٹھارہ سال کی بیٹی ہے، دو بیٹے ہیں، ایک پندرہ سال کا، ایک سات سال کا۔ میری نظر اب بھی باپ کو تلاشنے میں مصروف رہتی ہے جب میری زندگی میں کوئی مشکل آجائے تو رب کے بعد اب بھی میرے منہ سے باپ نکلتا ہے۔

جن بیٹیوں کے سر پر باپ نا ہوں ان کی زندگی سر چھپانے میں گزر جاتی ہے۔ میں نے ساری جوانی بہنوں کو پالا اب اپنی ماں اور بیٹی کو سنبھالنے میں بڑھاپا گزر رہا ہے۔

عورت کے لیے زندگی کا سفر کبھی آسان نہیں ہوتا، جب کوئی ابن آدم جوانی میں اس کے ساتھ نا ہو

باپ بھائی کا ہونا ایسے ضروری ہے جیسے جسم کے لئے روح، جیسے گھر کے لئے چار دیواری، جیسے عورت کے جسم پر کپڑے، جیسے سر پر چادر، اگر باپ بھائی نا ہوں تو اکیلے ہی اسے جوانی کے پل سے لڑکھڑاتے ہوئے گزرنا پڑتا ہے پل سے نیچے معاشرے کا بہت بڑا دریا ہوتا ہے جس میں جا بجا ڈراؤنے بھیڑیے ہوتے ہیں جو تاک لگائے بیٹھے ہوتے ہیں، کہ آپ کا ایک قدم پھسلے اور وہ آپ پر جھپٹ پڑیں۔

میری کہانی ختم نہیں ہوئی مجھے زندگی میں بہت کچھ جھیلنا ہے، ایک محبت کرنے والا شوہر اور ایک احساس کرنے والے سسرال کے ہوتے ہوئے بھی معاشرے میں بہت سی جگہوں پر مجھے خود کو بچانا ہے، کبھی بیٹے کی خاطر کبھی بیٹی کی خاطر، اسی طرح جب تک آپ زندہ ہیں نا آپ کی کہانی کسی افسانے، ناول کی طرح ختم ہو سکتی ہے نا میری، مجھے اور آپ کو تب تک یہ کہانی جس کا نام زندگی ہے اس کا کردار نبھانا ہے جب تک خالق حقیقی ختم شد نہیں کہتا۔

آپ کی اور میری کہانی اس معاشرے سے لڑتے ہوئے جاری ہے

☆ ☆ ☆

میں دوست نہیں بناتی نمرہ آسی

میں دوست نہیں بناتی جانتے ہو کیوں؟ کیونکہ میں دوستی نبھانہیں پاتی، میں تھک جاتی ہوں؛ بھاگنے لگتی ہوں سب سے، اور میں وفا نہیں نبھانہیں کر بہت تھک چکی ہوں۔ ہاں میرے نزدیک دوستی میں وفا نبھانا بہت ضروری ہے، پر مجھ میں وہ وفا نہیں ہے۔ نہ میں مزید کسی وفا کا بوجھ اٹھانے کی سکت رکھتی ہوں۔

یقین مانیں وفا بہت بھاری ہوتی ہے یہ اتنا جھکا دیتی ہے کہ آنکھیں دھول دھول ہو جائیں۔ میں دوست بن کر چھوڑنے کے بجائے دوست بنانے سے ہی گریز کرتی ہوں۔ کبھی کبھی مجھے ایسی چپ لگ جاتی ہے کہ میں اس چپ کا سبب بتانے سے بھی قاصر ہونے لگتی ہوں۔ میں محبت کا اظہار کرنے سے ڈرتی ہوں۔ مجھے پا کر کھو دینے سے خوف آتا ہے۔ مجھے اپنوں کو کھونے کا فوبیا ہے؛ اس لئے میں اپنوں کی لسٹ میں اضافہ نہیں کرنا چاہتی۔ میں کئی لوگوں کو اچھا سمجھ کر بری بن چکی ہوں۔ سو مزید کسی کو اچھا سمجھ کر اس کے برے روپ کو نہیں سہنا چاہتی۔ میں کسی کو دکھ نہیں دینا چاہتی۔ نہ کسی سے دکھ لینا چاہتی ہوں۔ میرے دل میں بہت کچھ چھپا ہے، اس لئے میں کسی کے لیے اس کے دروازے کبھی نہیں کھول سکتی۔ میں سچ میں بہت تھک چکی ہوں۔ کھوکھلی دوستیاں تکلیف دیتی ہیں مجھے، اب گریز کرنا ہے مجھے ان کھوکھلی رشتوں سے!

دکھاوا

کنزہ رفیق

خود برباد کر گیا تو میری شہزادی دکھاوا انسان کو کبھی کا نہیں
چھوڑتا اس لیے کبھی دکھاواں نہیں کرنا چاہیے جو آپ کے پاس
ہے اسی میں خوش رہیں اور ہر وقت اللہ کا شکر ادا کریں

☆☆☆

علی اور احمد کی کہانی

رامین صدیق

پیارے بچو! علی اور احمد ایک محلے میں رہتے تھے وہ دونوں
بہت شرارتی تھے اور پورا محلہ ان کی شرارتوں سے تنگ تھا وہ
سکول میں بھی بہت شرارتیں کرتے جس کی وجہ سے سکول
والے بھی ان سے تنگ تھے کبھی تو وہ دونوں کسی ہمسائے کی
گھنٹی بجا کر بھاگ جاتے اور اس کا الزام کسی اور کو دے دیتے
تھے جس کی وجہ سے دوسرے کو مار پڑتی اور علی اور احمد مار
سے بچ جاتے۔

وہ سکول میں بچوں کے لُچ باکس سے کھانا بھی چرا کے خود کھا
لیتے اور دوسرے بچوں کو بھوکا رہنا پڑتا جب انہیں سزا ملتی وہ
کچھ دن بعد پھر سے وہی کچھ کرتے۔ ایسے ہی دن گزرتے
رہے ایک دن انکل عاصم نے سوچا کہ کیوں نا آج باہر بیٹھا
جائے اور دیکھا جائے کہ کون بچہ گھروں کی گھنٹیاں بجاتا ہے
جمعہ والے دن انکل عاصم باہر بیٹھے وہ ایسی جگہ بیٹھے کہ جہاں
کسی کو نظر نا آتے تو تھوڑی دیر کے بعد احمد اور علی آئے

انہوں نے گھنٹی بجائی اور بھاگنے لگے کہ اچانک سے انکل عاصم
نے انہیں پکڑ لیا اور انہیں سزا دی اور سمجھایا کہ "جھوٹ بولنا

اور چوری کرنا بہت بری بات ہے اور ہمارے نبی ﷺ نے
بھی ہمیں اس سے منع فرمایا ہے۔ اور اس سے اللہ بھی ناراض

ہوتے ہیں اور جب اللہ پاک ہم سے راضی نہ ہوں تو پھر تو
ہماری زندگی بے کار ہے۔ اور پھر ہمیں کوئی بھی پسند نہیں کرتا،

تو کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ لوگ آپ کو برا سمجھیں۔ نہیں نہ تو
اللہ سے معافی مانگو اور اچھے بچے بن جاؤ کہ سب آپ سے پیار

کریں۔" پھر انہوں نے انکل عاصم سے معافی مانگی کہ آئندہ ہم
جھوٹ نہیں بولیں گے اور نہ کسی کو تنگ کریں گے اور چوری

بھی نہیں کریں گے انکل نے انہیں شاباش دی اور انہیں معاف
کر دیا۔

سنو میری شہزادی میں تمہیں ایک کہانی سناتی ہوں سرمہ اور شبیر محلے دار
تھے دونوں دوست بھی تھے تو ایک دن شبیر کبھی جارہا تھا جب سرمہ نے
روکا "یہ دیکھو میری نئی بانیک" سرمہ نے شبیر کو روکتے کہا تو شبیر کی نظر
اس کی بانیک پر پری تو حیران رہ گیا

"بہت پیاری ہے ماشاء اللہ" شبیر نے بانیک پر ہاتھ پھیرتے کہا
"ہاں کل ہی لی ہے تم بتاؤ کب لے رہے ہوئی بانیک؟ بلکل میرے
جیسی، یہ تو بہت پرانی ہو چکی ہے" سرمہ نے منہ بناتے اس کی بانیک کی
طرف دیکھتے کہا

"نہیں یار پرانی کہا ہے ابھی ایک سال نہیں ہوا" شبیر نے مسکراتے کہا
"ایک سال ہونے والا ہے اور تم یہی چلا رہے ہو اور میں نے تیسری
بدل لی" سرمہ یوں بتا رہا تھا جیسے بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہو شبیر خاموش
ہو گیا کیوں کہ وہ جانتا تھا اس کے پاس نئی خریدنے کے پیسے نہیں تھے وہ
خاموشی سے ہی وہاں سے نکل گیا گھر پہنچتے ہی ابا کے سامنے کھڑا ہو گیا
"ابا مجھے نئی بانیک لینے ہے" اس نے اٹل لہجے میں کہا

"کیوں بیٹا جی کیا یہ خراب ہو گئی ہے؟" شبیر کے والد نے پوچھا
"نہیں پھر بھی مجھے لینے ہے ویسی ہی جیسی سرمہ نے لی ہے" اس کے والد
سرمہ کے نام پر سمجھ گئے کیا معاملہ ہوا ہے تبھی گھرہ سانس لیتے اٹھے
"دیکھو شبیر سرمہ جیسے لوگ صرف دکھاوا کرتے ہیں اور بیٹا دکھاوا انسان کو
برباد کر دیتا ہے" انہوں نے شبیر کو سمجھانا چاہا

"کہا۔۔۔ کون ہوا برباد ابا؟ وہ تو اچھا بھلا ہے" شبیر نے منہ بناتے کہا تبھی
محلے سے کسی کے چلانے کی آوازیں آنے لگیں شبیر اور اس کے والد
پریشانی سے گھر سے نکلے تو نظر سرمہ کے دروازے پر پڑی جہاں دو لڑکے
کھڑے بانیک کی مہینہ وار قسط کی ادائیگی نہ ہونے پر شور کر رہے تھے
اور سرمہ دروازے کو اندر سے بند کیے بیٹھا تھا کیوں کہ اس کے پاس پیسے
نہیں تھے شبیر کے والد نے یہ دیکھ بیٹے کی طرف دیکھا

"دیکھا شبیر میں نے کہا تھا نا دکھاوا برباد کر دیتا ہے سرمہ نے دکھاوے
کے لیے بانیک لی اور اب دیکھو کیسے پورے محلے کے سامنے بے عزت
ہو رہا ہے" شبیر والد کی بات سن چھپ ہو گیا

"بیٹا پاؤں اتنے پھیلانے چاہیے جتنی چادر ہو اوقات سے زیادہ کرنے سے
انسان صرف رسوا ہوتا ہے آباد نہیں" شبیر نے والد کی بات پر اثبات میں
سر ہلایا سرمہ کا دکھاواں آج اسے شرمندہ کروا چکا تھا اور سرمہ اپنی عزت

کرتا ہے شاہی خزانے کے لیے۔ غریب لگان دے تو روٹی کیسے کھائے؟ بادشاہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور فوراً لگان ختم کرنے کا حکم دیا۔ ساتھ ہی دعوت عام کی اور وہاں اعلان کیا کہ اگر کسی کے پاس کھانے کو کچھ نہ ہو تو وہ محل میں آ جائے اسے شاہی کھانا کھلایا جائے گا۔ اب سے بادشاہ اپنی رعایا کا خیال رکھے گا۔

پیاری گڑیا! پتا ہے ہمیں اس سے کیا سبق ملا؟ یہی کہ ہمیں کسی کا حق نہیں کھانا چاہیے۔ کسی پر ظلم نہیں کرنا چاہیے ساتھ یہ بھی کہ ہمیں دوسروں کا خیال رکھنا چاہیے۔ ضرورت مند کو ڈھونڈ کر اس کی مدد کرنی چاہیے۔ کیوں کہ ہم اس دنیا میں آئے ہی دوسروں کی مدد کے لیے ہیں۔



بارش کی یادیں کائنات قمر محمد شریف

میں جب بھی اداس ہوتی ہوں
مجھے بارش ملنے آتی ہے
اداسی کے موسم چھٹ گئے ہیں
مجھے بارش ملنے آئی ہے
باغوں میں ہر طرف شادابی ہے
تازہ ہوا کا جھونکا ہے
رنجشیں جو بھی تھیں ہمارے درمیان
ان کو مٹانے آئی ہے
لگتا ہے ایسی بارش پہلی بار آئی ہے
رحمتیں برس رہی ہیں اظہار محبت کر رہی ہیں
گھٹائیں محبت کی چھائی ہیں
نفرتیں دلوں سے مٹائیں آئی ہے
دیکھو!! نا مجھے بارش ملنے آئی ہے



تو پیارے بچوں! اس کہانی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جو بچے سچ بولتے ہیں اور غلط کام نہیں کرتے، ان بچوں سے سب خوش ہوتے ہیں۔ آپ بھی ہمیشہ سچ بولیں، اور دوسروں کو کبھی بھی تنگ نا کریں کہ جس سے لوگ آپ کو برا سمجھیں، اچھے کام کریں تاکہ سب لوگ اور اللہ پاک آپ سے راضی ہوں۔



اقصی باجوہ بچوں کی کہانی

پیاری گڑیا! پتا ہے اک بار ایک بادشاہ تھا۔ جو بہت بڑے محل میں رہتا تھا۔ اس کا ایک گھوڑا بھی تھا۔ ایک دن بادشاہ شکار پر گیا تو اپنا گھوڑا ایک درخت کے ساتھ باندھ کے شکار کرنے میں مصروف ہو گیا۔ وہ بہت دور چلا گیا شکار پکڑنے کے لیے۔ پیچھے گھوڑا اکیلا رہ گیا۔ کسی نے اس کے گھوڑے کی ٹانگ پر تیر مار دیا۔ بادشاہ واپس آیا تو اسے بہت غصہ آیا کہ میرے گھوڑے کو کس نے چوٹ پہنچائی؟ دیکھا تو تیر کے گرد کچھ لپیٹا ہوا تھا۔ وہ ایک کاغذ تھا، جس پر کچھ لکھا تھا۔ پتا ہے کیا لکھا تھا؟۔۔۔۔۔ لکھا تھا بادشاہ چور ہے۔ اس نے میری روٹی چوری کی ہے۔ بادشاہ حرام کھاتا ہے۔ بادشاہ سانپ ہے۔ اپنی رعایا کو ڈستا ہے۔ بادشاہ جلاد ہے۔ بہت سی جانیں لی ہیں بادشاہ نے۔ بادشاہ مر جائے تو سب خوش ہوں گے۔ سب جشن منائیں گے۔ ساتھ میں لکھا تھا میں کوئی غیر نہیں بلکہ اسی ریاست کا باشندہ ہوں۔ بادشاہ نے میری چوری کی ہے۔ میری محنت کی کمائی کھا گیا ہے۔ حرام خور ہے بادشاہ۔ خدا کرے بادشاہ مر جائے۔ آگے لکھا تھا بادشاہ کا خزانہ دولت سے بھرا ہوا ہے پھر بھی دولت کی بھوک ختم نہیں ہوتی۔ میری محنت کی کمائی لے جاتا ہے۔ میرے پاس اتنا سرمایہ نہیں کہ گھر میں راشن ڈلو سکوں۔ میں وہ ہوں جس کے پاس کھانے کو روٹی تک نہیں۔ میں ایک ہفتے سے بھوکا ہوں کیوں کہ میری محنت کی کمائی بادشاہ لے گیا۔ بادشاہ ظالم ہے بہت، خدا کرے وہ مر جائے۔ وہ بادشاہ نہ رہے۔ بس وہ مر جائے۔ پہلے بادشاہ کو بہت غصہ آیا۔ اس آدمی کو تلاش کرنے کا بولا جس نے لکھا تھا۔ پھر بادشاہ نے آرام سے بیٹھ کر سوچا کہ اس بات کا کیا مطلب ہے؟ بادشاہ کو یاد آیا کہ وہ محنت کشوں سے لگان وصول

موت

شانزے منصب

سحر الاعلیٰ
میری آنکھ کھلتے ہی
اک سرگوشی سی میرے کانوں میں گونجتی ہے
آہٹ
چپ چاپ سسکتی ہوئی
خوفزدہ کر دینے والی آہٹ
میرے آس پاس بکھر جاتی ہے
سحر الآخر
اس آہٹ کا موجد نظر آتا ہے
اسیادہ لبادہ اوڑھے
اندھیری رات جیسا سیاہ
ہر روشنی کو نگل جانے والا
گناہوں کے بوجھ جیسا سیاہ
میرے قدم سے قدم ملا کر چلتا ہوا
ہسپتال کی راہداریوں میں جو نبی میں داخل ہوتی ہوں
وہ میرا پیچھا چھوڑتا ہے
اور پوری عمارت پر اپنے سیاہ چوغے کو
پروں کی طرح پھیلا لیتا ہے
لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ
اور آنکھوں میں عجب سی وحشت لیے
وہ چہار جانب دیکھتا ہے
سامنے والے وارڈ میں ایک صحت مند عورت
بچہ جنتی ہے مگر وہ بچہ
اس کے دل و دماغ میں زہر بھر چکا ہے
سانس نہیں لے رہا
اس میں زندگی کی رفق محسوس
کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے
کونے میں کھڑا وہ وجود دیکھ رہا ہے
پر سکون مسکراہٹ کے ساتھ
"یہ مر چکا ہے"

میرے سامنے ایک صحت مند عورت آتی ہے
آہستہ آہستہ اس کی رگوں میں زہر گھل رہا
اذیت سی اذیت ہے
جو اسے محسوس ہو رہی ہے
اس کا دل بند ہو رہا ہے
ہم اسے مصنوعی سانس دینے کی کوشش میں ہیں
کونے میں کھڑا وہ وجود دیکھ رہا ہے
مضحکہ خیز مسکراہٹ کے ساتھ
"یہ مر چکی ہے"
مجھے اب اس سے شدید ڈر لگ رہا ہے
اس کی حقیقت جان گئی ہوں
وہ موت ہے
موت۔۔۔

ہر شے نگل جانے والی
ہر خواب خواہش مردہ کر دینے والی
اور شاید اب وہ میرے آس پاس ہے
میری سانسوں کی منتظر
شدید قسم کا خوف میرے رگ و پے میں سرایت کر جاتا ہے
مگر یہ دنیا
مجھے ابھی اپنے بہت سے کام نمٹانے ہیں
میں اس خوف کو سر پر سوار رکھ کر نہیں بیٹھ سکتی
کچھ ہی وقت گزرتا ہے
میں اسے بھول جاتی ہوں
اپنی موت کو
اس وجود کو فراموش کر دیتی ہوں
کیونکہ ابھی بہت سے کام ہیں جو مجھے کرنے ہیں
دنیاوی کام
مگر وہ میرے چاروں جانب
مجھے منتظر نگاہوں سے دیکھتا ہے
طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ

☆ ☆ ☆

بچپن کی یادیں

رابعہ ن (خیر پور میر سندھ)

تھر تھر کانپنے لگتا ہے
میں دل کو کیسے سمجھائوں
کیوں نازک اتنا بنتا ہے
اب گزرے پل نہ لوٹیں گے
اب پچھڑے پھر نہ ملنے ہیں
اب چھلنی روح کے زخموں کو
خود سی کے آگے بھڑنا ہے
دنیا میں جو آئے ہو
اب جی کر بھی تو دیکھنا ہے
چاہے نفرتوں زد میں رہو
تمہیں اپنا بھرم یہاں رکھنا ہے
تم شیشہ بن کے آئے تھے
تمہیں شیشہ بن کے رہنا ہے
دنیا میں جو آئے ہو
اب جی کے بھی تو دیکھنا ہے!



کسی حساس لمحے کے زیر اثر
میں وقت کو تھاموں گی
چند ساعتوں کو روک کر
ہر قید سے آزاد ہوں گی
ہر طوق اتار پھینکوں گی
کچھ پل زندگی کو محسوس کر کے
میں واپس آ جاؤں گی
بس چند ساعتیں
چند لمحوں کی
اجازت درکار ہے مجھے

شانزے منصب

بچپن کی یادیں
پریوں کی کہانیاں،
وہ ماضی کی سرگوشیاں
اور قہقہوں کی بازگشت
یہ وہ سائے جو ہمیشہ قائم رہتے ہیں
رات کی خاموشی میں
خواب
منتر باندھے سرہانے
پڑھ کے پھونک جاتے ہیں
ایک صوفیانہ دنیا جہاں
محبت والے بستے ہیں۔
آنکھوں کی گہرائیوں میں
کائنات انوکھی سجتی ہے
آرزو کی کہانی میں
دل شیش محل بن جاتا ہے
ہوا کی سرگوشیوں میں
ایک گیت پرانا بجتا ہے
جو وقت کی حدود کو عبور کرتے
خوابوں کی دنیا میں
ہمیں رہنے پہ مجبور کرتا ہے
جہاں سائے رقص کرتے ہیں
محبت کی میٹھی اداسی میں
اتنی گہری خاموشی میں
پلکوں کی باڑ سے نکل کر
اک موتی ٹوٹ کے گرتا ہے
ہمیں پھر سے حقیقت کی دنیا میں
لا کر کھڑا کر دیتا ہے
دل خزاں رسیدہ پتے کی مانند



موتیوں میں لیے الفاظ

فتنہ و فساد میں اس طرح رہو جس طرح اونٹ کا وہ بچہ جس نے ابھی اپنی عمر کے دو سال ختم کئے ہوں کہ نہ تو اس کی پیٹھ پر سواری کی جاسکتی ہے اور نہ اس کے تھنوں سے دودھ دوبا جاسکتا ہے۔

(حضرت علمی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ)

لوگوں سے اس طریقہ سے ملو کہ اگر مر جاؤ تو تم پر روئیں اور زندہ رہو تو تمہارے مشتاق ہوں۔

(حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ)

تجرب ہے اس پر جو موت کو حق جانتا ہے اور پھر ہنستا ہے۔
تجرب ہے اس پر جو تقدیر کو پہچانتا ہے اور پھر جانے والی چیز کا غم کرتا ہے۔

دل ایسی شئی نہیں جو بانٹی جاسکے۔

سعادت حسن منٹو

(حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ)

سلگتے سگریٹ اور دھڑکتے دل میں کتنی مماثلت ہے!

بلراج میزرا

جو شخص اپنا راز پوشیدہ رکھتا ہے وہ گویا اپنی سلامتی کو اپنے قبضے میں رکھتا ہے۔

(حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ)

بھوک کسی قسم کی بھی ہو، بہت خطرناک ہے۔۔۔ آزادی کے بھوکوں کو اگر غلامی کی زنجیریں ہی پیش کی جاتی رہیں تو انقلاب ضرور برپا ہوگا۔۔۔ روٹی کے بھوکے اگر فاقے ہی کھینچتے رہے تو وہ تنگ آکر دوسرے کا نوالہ ضرور چھینیں گے۔۔۔ مرد کی نظروں کو اگر عورت کے دیدار کا بھوکا رکھا گیا تو شاید وہ اپنے ہم جنسوں اور حیوانوں ہی میں اس کا عکس دیکھنے کی کوشش کریں۔

سعادت حسن منٹو

جو شخص اپنا راز پوشیدہ رکھتا ہے وہ گویا اپنی سلامتی کو اپنے قبضے میں رکھتا ہے۔

(حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ)

تبصرہ ضروری ہے

ایک ملاقات پریت ادب کے ساتھ

ادب کے شائقین کے لیے ایک

گراں قدر تحفہ ماہانہ پریت ادب میگزین کا ساتواں شمارہ جو کہ اگست کے مہینے میں شائع کیا گیا ہے۔

مجموعی طور پر یہ شمارہ اپنی با معنی اور متاثر کن تحریروں کے باعث ادب کے میدان میں ایک اہم اضافہ ہے۔

دیگ کے چند دانے چکھ کر ہم دیگ کے ذائقے کا اندازہ لگا سکتے ہیں لیکن کتاب کے چند صفحات پڑھ کر ہم کتاب کا

اندازہ نہیں لگا سکتے تو یہ دیگ والا اصول کتابوں پر لاگو نہیں ہوتا، کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جیسا کہ میں یہاں پر

ایک نئی لکھاری ہوں تو حال ہی میں جو شمارہ میں نے پڑھا ہے اس میں، میں نے کائنات مقصود کی خون میں لپٹی گڑیا

کی ایک دل دہلا دینے والی تحریر پڑھی۔ تحریر کا عنوان ہی اس کے مندرجات کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ تحریر پڑھنے

والے کو ایک ایسی دنیا میں لے جاتی ہے جہاں میرے ضمیر نے کشمیر کے المیہ کی گہری عکاسی کرتے ہوئے دلوں

کو جھنجھوڑا اور آنکھوں کو نم کر دیا۔ کفرہ رفیق راجپوت کی تحریر کیا ہم آزاد ہیں؟ نے گہرے سوالات اٹھائے جو

قارئین کو سوچنے پر مجبور کرتے ہیں کہ آیا کیا ہم واقعی آزاد ہیں یا اب بھی ہم فکری غلامی میں مبتلا ہیں۔ حال

کے تمام تاثرات کے برعکس مجھے اس شمارے میں کوئی کمی کو تاہی نہیں ملی۔

مجموعی طور پر یہ شمارہ ادبی دنیا میں ایک قیمتی اضافہ ہے، جس میں اثر انگیز اور خوبصورتی سے تیار کردہ مواد کی

نمائش کی گئی ہے۔

نمرہ آسی

☆☆☆

شمارے میں موجود مواد کے بارے میں لکھنے سے پہلے میں اس کے نام کے بارے میں بات کرنا چاہوں گی۔ ”پریت“ کس قدر یہ خوبصورت لفظ ہے جو محبت کے لیے استعمال ہوتا ہے اور بلاشبہ یہ پورا میگزین ہی مختلف لکھاریوں کے محبت بھرے جذبات سے سرشار ہے۔ حمد، نعت، شاعری جو اپنی مثال آپ ہیں۔ اس کے علاوہ افسانے بہت ہی عمدہ اور کمال لگے۔ ایک کشمیری بھائی کا اپنی بہن کے لیے گڑیا لانا ہو، ایک بہو کا ساس سے جان چھڑوانا، وطن عزیز کو حاصل کرنے والی قربانیاں یاد کرنا، حویلی میں موجود اس کتب خانے کو دیکھ کر خوش ہونا، رب کو پانے کا سفر ہر کہانی ایک شاہکار ثابت ہوئی۔ اس قدر خوبصورت اور عمدہ الفاظ کے ساتھ زندگی کے مختلف پہلوؤں کو صفحہ قرطاس پر بکھیرا گیا۔ جس نے نہ صرف ایک نئی دنیا کی سیر کروائی بلکہ نیا سیکھنے کو بھی ملا۔ آخر میں مس عائشہ کا اظہار خیال خوش آئند لگا۔ پنچابی زبان میں موجود اشعار مادری زبان سے محبت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

الغرض ماہنامہ پریت کا یہ ساتواں شمارہ مجھے بے حد پسند آیا۔ اللہ پاک سب لکھاریوں کے قلم میں برکتیں ڈالے اور محبت کے اس احساس ماہنامہ پریت کو اردو ادب میں ایک اعلیٰ مقام دلوائے۔ آمین ثم آمین!

عمارہ عابد

☆☆☆

پریت ادب، دل کی بات سنائے،
محبت کی خوشبو، ہر دل کو بھائے۔
لفظوں کی چادر میں، خواب سجائے،
درد و خوشی کی، کہانیاں سنائے۔

چاہت کا رنگ، ہر صفحے پر چھائے،
رنگین خیالوں سے، دل کو بہلائے۔
پریت کی زبان، نرم نرم ہو جیسے،
پیار کی گلیوں میں، سب کو لے جائے۔

یہ ادب کی دنیا، دل کو جوڑتا ہے،
پریت کی روشنی، ہر دل کو سجاتا ہے۔
محبت کی داستان، کبھی نہ بھولے،
پریت ادب، ہمیشہ رہتا ہے۔

سرپرست و بانی عائشہ اخلاق